مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے

شعبہ سمع وبصر

کی تیار کردہ کمپیوٹرسی ڈیز (C.Ds) سے

دین کے جامع تصور سے آگاہی اور دینی تقاضوں کا فہم حاصل کیجئے

☆ الہدیٰ (مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب)

☆ اسلام اور خواتین

☆ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خطباتِ جمعہ (4 سی ڈیز)

☆ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر (ویڈیو سی ڈی)

☆ بیان القرآن (قرآن حکیم کا مکمل ترجمہ اور تشریح)

☆ قرآن حکیم کی تلاوت مع متن

☆ سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ اسلامی انقلاب کا طریق کار

☆ *Basic Themes of Al-Quran*

اور

☆ **دورۂ ترجمۂ قرآن** پر مشتمل ویڈیو سی ڈی

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36- کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارۂ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۱ | شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ - اکتوبر ۲۰۰۲ء | شمارہ ۱۰

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شاہ بکری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرتعاون: 100 روپے

فی شمارہ: 10 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

بحمد اللہ ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کے نئے سیشن میں تدریس کا آغاز حسب اعلان ۲ ستمبر سے ہو گیا ہے۔ شرکاءِ کورس کی تعداد ہماری توقع سے بڑھ کر ہے۔ کورس میں داخلہ لینے والے مرد حضرات کی تعداد ۴۰ سے متجاوز ہے جبکہ ۱۵ خواتین نے بھی کورس میں داخلہ لیا ہے۔ اس موقع پر کورس کا نیا ترمیم شدہ پراسپکٹس بھی شائع کیا گیا ہے —— واضح رہے کہ اس کورس کا اصل مقصد ان حضرات کو بنیادی دینی تعلیم کی سہولت مہیا کرنا ہے جو کم از کم گریجویشن کی حد تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں' اور مرکزی انجمن کی تحریک رجوع الی القرآن کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے یا کسی دیگر داخلی یا خارجی تحریک پر کم و بیش ایک سال دینی تعلیم کے حصول کے لئے مختص کرنے پر آمادہ ہوں۔ کورس کو ترتیب دیتے ہوئے اس امر کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے کہ شرکاء نہ صرف عربی زبان کے بنیادی قواعد اور اسالیب سے واقف ہو جائیں تاکہ قرآن حکیم کی ابدی ہدایت سے براہ راست استفادہ کے لئے راہ ہموار ہو سکے بلکہ قرآن حکیم کے منتخب مقامات کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کا صحیح تصور اور فرائض دینی کا ایک جامع خاکہ بھی ان پر واضح ہو جائے۔ قرآن حکیم سے صحیح طور پر استفادہ اور صاحب قرآن ﷺ کے فرمودات سے آگاہی کی خاطر مطالعہ احادیث مبارکہ کا ایک مختصر نصاب بھی کورس کا حصہ بنایا گیا ہے۔ مزید برآں تجوید' ترجمہ و ترکیب قرآن اور مطالعہ فقہ بھی شامل نصاب ہیں۔

گزشتہ چند سالوں کے مقابلے میں امسال کورس میں زیادہ داخلوں کا ایک اہم سبب صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہفتہ وار درس قرآن (بمقام قرآن آڈیٹوریم) کا تسلسل اور اس کی جانب لوگوں کا غیر معمولی رجوع و التفات بھی ہے۔ اس درس قرآن کے ذریعے ایک نیا حلقہ جو اکثر و بیشتر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے' اس قرآنی تحریک سے متعارف ہوا ہے۔ یہ اللہ کے خصوصی فضل کا مظہر ہے کہ اس درس کے ذریعے سے قرآن کی جو مؤثر پکار اور دل میں اتر جانے والا پیغام لوگوں کے قلوب و اذہان تک پہنچ رہا ہے' اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ سننے والوں کے دلوں میں قرآن سے براہ راست استفادے اور اس کے علم و حکمت سے اپنے اذہان کو منور کرنے کی امنگ بیدار ہوئی ہے اور وہ بنیادی دینی تعلیم کے حصول کے لئے وقت فارغ کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اللّٰھم زِد فزِد!

درس ۲۶

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں
قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت
اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم - بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۭ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۭ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞﴾ ..... صدق اللّٰہ العظیم

الحمدللہ' ثم الحمدللہ کہ ہم اپنے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے آخری حصے تک پہنچ گئے ع شکر صد شکر کہ جنازہ بمنزل رسید!

اس منتخب نصاب کی ترتیب' جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا' کچھ یوں ہے کہ یہ چھ حصّوں پر مشتمل ہے۔ درمیانی چار حصے یعنی دوسرا' تیسرا' چوتھا اور پانچواں حصہ سورۃ

العصر میں وارد شدہ چار لوازمِ فلاح یا شرائطِ نجات میں سے ایک ایک کی شرح و تفصیل پر مشتمل ہے۔ یعنی (i) ایمان (ii) عمل صالح (iii) تواصی بالحق اور (iv) تواصی بالصبر۔ اس کے اوّل و آخر یعنی پہلے اور چھٹے حصّے میں کچھ جامع اسباق شامل کئے گئے ہیں کہ جن میں ان چاروں لوازمِ نجات کا بیان جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ پہلا سبق چار اسباق پر مشتمل ہے' جبکہ آخری حصہ ایک ہی سورت یعنی سورۃ الحدید پر مشتمل ہے جو چار رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ ستائیسویں پارے کے بالکل آخر میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی ابتدائی چھ آیات پر مشتمل اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصّہ اس وقت ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ ترتیبِ مصحف میں یہ سورۂ مبارکہ جس مقام پر وارد ہوئی ہے اور جامعیت کے اعتبار سے اس کا جو مرتبہ و مقام ہے' اس کے بارے میں ان چند باتوں کو اجمالاً ذہن میں تازہ کر لیجئے جو ترتیبِ مصحف سے متعلق پہلے بھی کسی موقع پر عرض کی جا چکی ہیں۔

سورتوں کی گروپ بندی

قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں کی ایک معروف تقسیم تو یہ ہے کہ یہ سات احزاب یا سات منزلوں میں منقسم ہیں جو حجم کے اعتبار سے قریباً مساوی ہیں۔ اس تقسیم سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ ایک منزل کی تلاوت کرے تو ایک ہفتے میں قرآن مجید ختم کر لے۔ البتہ چونکہ یہ تقسیم دورِ نبویؐ میں موجود تھی لہٰذا اس میں حسن کا یہ پہلو موجود ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اگر الگ رکھیں کہ یہ پورے قرآن مجید کے لئے ایک دیباچے اور مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے تو پہلی منزل میں تین سورتیں ہیں' دوسری میں پانچ' تیسری میں سات' چوتھی میں نو' پانچویں میں گیارہ' چھٹی میں تیرہ اور پھر ساتویں منزل میں' جسے حزبِ مفصّل کہا جاتا ہے' ساٹھ سے زائد سورتیں شامل ہیں۔

تاہم ایک تقسیم ان سورتوں کی اور بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں مکی اور مدنی سورتیں گڈمڈ نظر آتی ہیں' لیکن ان میں بڑی معنویت پنہاں ہے۔ چنانچہ ایک ترتیب میں آنے والی مکی اور مدنی سورتوں کو جمع کر کے اگر گروپ بندی کی جائے تو اس طرح

بھی سات گروپ وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح سے وجود میں آنے والے ہر گروپ کا آغاز ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر۔ یہ گروپ بندی معنوی لحاظ سے ہے' چنانچہ اس میں حجم کا لحاظ نہیں ہے۔ کوئی گروپ بہت طویل ہے اور کوئی بہت مختصر۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کے اجتماع سے وجود میں آنے والے ہر گروپ کا کوئی ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے اس گروپ میں شامل مکی اور مدنی سورتیں مل کر مکمل کرتی ہیں۔ اس مضمون کا ایک رخ اس گروپ کی مکی سورتوں میں بیان ہوتا ہے تو دوسرا رُخ اسی گروپ کی مدنی سورتوں کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ یوں دونوں مل کر اس مضمون کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس طرح کے بھی سات ہی گروپ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔

پہلے اور آخری گروپ میں ایک عجیب عکسی (reciprocal) نسبت ہے کہ پہلے گروپ میں مکی سورت صرف ایک ہے' یعنی سورۂ فاتحہ جو نہایت مختصر سورۃ ہے اور کل سات آیات پر مشتمل ہے' جبکہ مدنی سورتیں چار ہیں جو بہت طویل ہیں اور تقریباً سات پاروں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی سورۃ البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ۔ اس کے بالکل برعکس ہے آخری گروپ جو آخری دو پاروں پر محیط ہے۔ اس کا آغاز سورۃ الملک سے ہوتا ہے اور تقریباً یہ پورے دونوں پارے مکی سورتوں پر ہی مشتمل ہیں' صرف آخر میں چھوٹی چھوٹی چند سورتیں مدنی ہیں۔ یہ تو تھا معاملہ پہلے اور آخری گروپ کا' درمیانی گروپوں میں بھی بڑا توازن نظر آتا ہے۔

دوسرا گروپ اور آخری سے دوسرا یعنی چھٹا گروپ اس پہلو سے نہایت متوازن ہیں کہ ان میں مکی اور مدنی سورتوں کا تناسب تعداد اور حجم کے اعتبار سے قریباً مساوی ہے۔ (الانعام اور الاعراف مکیات ہیں' جبکہ الانفال اور التوبۃ مدنیات) ..... جبکہ چھٹے گروپ میں سات سورتیں مکی ہیں جو تقریباً ایک پارے یا اس سے قدرے زائد پر پھیلی ہوئی ہیں' اور دس سورتیں مدنی ہیں جو حجم کے اعتبار سے تقریباً سوا پارہ بنتی ہیں۔ گویا کہ

وہی توازن جو دوسرے گروپ میں تھا یہاں چھٹے گروپ میں بھی موجود ہے۔ اس گروپ کے بارے میں یہ بات بڑی نمایاں ہے کہ اس کی مکیات فصاحت و بلاغت' ترکیبِ الفاظ اور صوتی آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے قرآن مجید میں منفرد مقام اور نمایاں مرتبے کی حامل ہیں' یعنی سورۃ ق' سورۃ الذاریات' سورۃ الطّور' سورۃ النجم' سورۃ القمر' سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ۔ ان میں ایک سورۃ وہ بھی ہے' یعنی سورۃ الرحمٰن' جسے نبی اکرم ﷺ نے ''عروس القرآن'' قرار دیا ہے۔ گویا لفظی اور ادبی اعتبار سے قرآن مجید کا حسین ترین حصہ یہی ہے کہ جو اس گروپ کی مکیات پر مشتمل ہے۔

اس گروپ کی مدنیات بھی دو اعتبار سے نمایاں مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ایک تو اس پہلو سے کہ مدنی سورتوں کا اتنا بڑا اکٹھ قرآن حکیم میں اور کہیں نہیں ہے' اور دوسرے اس پہلو سے کہ ان سورتوں میں اہم مضامین کے خلاصے آ گئے ہیں جن کی ہمارے نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے اہم موضوعات بالخصوص وہ کہ جو مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمتِ مسلمہ متعلق ہیں اور جو طویل مکی اور مدنی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں' ان سب کے خلاصے گویا ان دس چھوٹی سورتوں کی شکل میں ہمیں عطا کر دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دس میں سے چھ سورتیں ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہیں' جن میں سے پانچ کا مطالعہ اس سے قبل ہم کر چکے ہیں' یعنی سورۃ الصّف' سورۃ الجمعۃ' سورۃ المنافقون' سورۃ التغابن اور سورۃ التحریم جبکہ چھٹی سورۃ (الحدید) ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔

یہ بات پہلے بھی کسی موقع پر عرض کی جا چکی ہے کہ ان دس سورتوں میں سے پانچ کی اضافی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے' ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ﴾ یا ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ چنانچہ ان کے لئے ایک مجموعی نام ''المُسَبِّحات'' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ پانچ سورتیں سورۃ الحدید' سورۃ الحشر' سورۃ الصّف' سورۃ الجمعۃ اور سورۃ التغابن ہیں' جن میں سوائے سورۃ الحشر کے' بقیہ چاروں سورتیں ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہیں۔

سورۃ الحدید۔ اُمُّ المُسَبِّحات

اس گروپ کی پہلی سورۃ سورۃ الحدید ہے' جو اس سلسلۂ سُوَر کی طویل ترین سورۃ ہے اور چار رکوعوں میں پھیلی ہوئی ہے' جبکہ بقیہ نو سورتوں میں سے دو سورتیں تین تین رکوعوں کی ہیں اور باقی سات دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الحدید کو اس پہلو سے اس گروپ کی جامع ترین سورۃ قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ اُن تمام مضامین کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جو بقیہ سورتوں میں الگ الگ زیر بحث آئے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر اسے "اُمُّ الْمُسَبِّحَاتِ" کہا جائے تو بات غلط نہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمت کے نام قرآن کا جو پیغام ہے' یا دوسرے لفظوں میں قرآن حکیم جو کچھ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بحیثیتِ اُمت کہنا چاہتا ہے' اس کا خلاصہ اس ایک سورۂ مبارکہ میں پورے طور پر موجود ہے۔

سورۃ کا ابتدائی حصّہ۔ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی بحث

مضامین کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کو سات حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصّہ ابتدائی چھ آیات پر مشتمل ہے۔ ان چھ آیات کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ میرا ایک بڑا گہرا تاثر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میری نگاہ کے محدود ہونے کی بنا پر ہو' لیکن ان چھ آیات کے بارے میں یہ میرا بڑا گہرا احساس ہے کہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی بحث جس اعلیٰ ترین علمی سطح پر اور جس قدر جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید کی ان ابتدائی آیات میں آئی ہے' میرے ناقص علم کی حد تک پورے قرآن حکیم میں اس کی کوئی اور نظیر نہیں ہے۔ اسی طرح اسی سلسلۂ مسبّحات میں سورۃ الحشر کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا گلدستہ ہمیں ملتا ہے۔ وہاں جتنے اسماء یکجا آئے ہیں' قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کے اتنے نام جمع نہیں ہوئے۔ یہ اس گروپ میں شامل سورتوں کی کچھ امتیازی خصوصیت اور امتیازی شان ہے۔ سورۃ الحدید کی یہ ابتدائی چھ آیات بلاشبہ معرفت خداوندی کا ایک بہت بڑا خزانہ ہیں کہ ان میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا بیان اعلیٰ ترین علمی سطح پر ہوا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم لفظ بلفظ ان آیات کا مطالعہ شروع کریں' مناسب ہوگا کہ یہ وضاحت کردی جائے کہ ''اعلیٰ ترین علمی سطح'' سے ہماری مراد کیا ہے۔

قبل ازیں اشارتاً یہ بات کہی جا چکی ہے اور حقیقت و اقسامِ شرک کے ضمن میں بھی یہ بات ضمناً زیر بحث آئی تھی کہ اپنے ذہن اور شعور کی سطح کے اعتبار سے سب لوگ برابر نہیں ہوتے' اس کے بے شمار مختلف درجے ہیں۔ جبکہ یہ قرآن ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے' پوری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ یہ عوام کے لئے بھی ہدایت ہے' جن میں کاشتکار' دہقان اور مزدور سب شامل ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑے مفکر' بڑے سے بڑے فلسفی اور بڑے سے بڑے دانشور (intellectual) کے لئے بھی کہ جس کے سامنے فلسفے کے بڑے پیچیدہ مسائل ہوں اور وہ ان پر غور و فکر کر رہا ہو۔ یہی قرآن مجید ہے کہ جو اُن سب کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سارا سامان اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ان کی ذہنی پیاس کی سیری کا پورا سامان اور ان کی ساری علمی و فکری ضروریات کو پورا کرنے والا یہی قرآن مجید ہے۔ تاہم اس اعلیٰ ترین ذہنی سطح کے لوگوں سے قرآن کا تخاطب بالعموم بطرزِ خفی ہوتا ہے۔ بطرزِ جلی جو چیزیں زیادہ نمایاں ہو کر اور بار بار سامنے آتی ہیں ان میں بالعموم عوام الناس کی ضرورتوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور اسی لئے عام فہم انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ ذہین اور صاحبِ فہم لوگوں (intellectuals) کے لئے قرآن مجید میں جا بجا اشارات موجود ہیں' وہ اشارے کہ جو اُن کی ذہنی رہنمائی کے لئے کفایت کریں اور جن پر غور و فکر کے ذریعے وہ اپنی علمی و فکری الجھنوں کو رفع کر سکیں۔ چنانچہ عام فہم انداز میں توحید کا مسئلہ ہمیں قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر اور مختلف اسالیب میں ملتا ہے' لیکن اپنی بلند ترین سطح پر یہ ان آیاتِ مبارکہ میں زیر بحث آیا ہے۔

پہلی آیت۔ تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم

سورۃ الحدید کا آغاز ان پُرشکوہ الفاظِ مبارکہ سے ہوتا ہے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز کہ جو آسمانوں اور زمین میں

ہے''۔ یہ سورۂ مبارکہ سلسلۂ مسبّحات کی پہلی کڑی ہے۔ تسبیح کے مفہوم پر سورۃ التغابن کے درس کے دوران تفصیلاً بحث ہو چکی ہے' بلکہ پھر کچھ اجمالی اشارے سورۃ الجمعۃ اور سورۃ الصّف کے درس کے دوران بھی اس ضمن میں کئے گئے ہیں۔ یہاں یہ نوٹ کیجئے کہ یہ سلسلۂ مسبّحات کی پہلی سورۃ ہے۔ یہاں تسبیح کے ساتھ ﴿لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ آگے چل کر اس میں تاکید کا رنگ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ بعد کی سورتوں میں ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح یہاں ''سَبَّحَ'' صیغہ ماضی ہے اور اس کے بعد دو اور سورتوں یعنی سورۃ الحشر اور سورۃ الصّف میں یہ لفظ اسی شکل میں آیا ہے' لیکن پھر آخری دو سورتوں (الجمعہ اور التغابن) میں یہ لفظ مضارع کے صیغے ''یُسَبِّحُ'' میں ڈھل گیا۔ توازن کا اس درجے اہتمام ہے کہ ''یُسَبِّحُ'' کا لفظ ایک بار سورۃ الحشر کے اختتام پر بھی لایا گیا ہے۔ اس طرح تسبیح کا ذکر تین مرتبہ فعل ماضی میں ہوا اور تین ہی مرتبہ فعل مضارع میں۔ گویا پورے زمان (ماضی' حال اور مستقبل) کا احاطہ ہو گیا اور ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ چونکہ مکان کو محیط ہیں لہٰذا ان دونوں میں تسبیح باری تعالیٰ کے ذکر میں گویا زمان و مکان کا کامل احاطہ کر لیا گیا' کہ یہ تسبیح ہر شے کر رہی ہے' خواہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی' ہمیشہ سے کر رہی ہے' ہر آن کر رہی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔

تسبیح و تحمید کے ذریعے معرفتِ خداوندی کا جو طریقہ قرآن تجویز کرتا ہے یہ اس دریا کو ایک کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ان الفاظ میں ان عظیم حقائق کو سمو لیا گیا ہے جو قرآن مجید میں طویل مکی سورتوں مثلاً الانعام اور النحل میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ: ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ ''ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور خود اُن کے اپنے باطن میں بھی' یہاں تک کہ یہ بات ان پر پورے طور پر مبرہن ہو جائے گی کہ (قرآن جس بات کی دعوت دے رہا ہے) وہ حق ہے''۔ ان آیاتِ آفاقی و انفسی کا تفصیلی حوالہ قرآن مجید میں ہمیں جا بجا ملتا ہے۔ اس مشرق سے

ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھو' چاند تاروں کو دیکھو' آسمانوں کو دیکھو' زمین کو دیکھو' ہواؤں کے چلنے اور موسموں کے تغیر و تبدل پر غور کرو' رات اور دن کے الٹ پھیر پر ذرا دھیان کرو' یہ سب کچھ کس کی حکمت کا مظہر ہے؟ یہ کس کی صناعی اور خلاقی کے مظاہر ہیں؟ وہ کون سا ذہن ہے کہ جو اِس پورے نظام کی پشت پر کارفرما ہے؟ وہ حکیم کون ہے جس کی حکمت کے یہ مظاہر ہیں؟ کون ہے وہ خلاق جس کی خلاقی کا یہ نقشہ سامنے آ رہا ہے؟ وہ المصور اور الباری کون ہے کہ جس کی تصویر گری کا یہ کمال تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ بڑے پیارے انداز میں کہا ہے اصغر گونڈوی نے کہ

ردائے لالہ و گل پردۂ ماہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں' عجیب عالم ہے!

کوئی ہے کہ جو اِس پردۂ زنگاری میں چھپا ہوا ہے۔ ہر شے اپنی ذات سے اس کے کمالات کا اظہار کر رہی ہے۔ ہر شے اپنے وجود سے اس کے ہر نقص سے بری اور ہر عیب سے پاک ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ ہے تسبیح باری تعالیٰ جس میں اس کائنات کا ایک ایک ذرہ لگا ہوا ہے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔ قرآن حکیم نے معرفتِ خداوندی کا یہی راستہ کھولا ہے۔ اگرچہ ایک راستہ اور بھی ہے جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔ کچھ لوگ وہ بھی ہیں کہ جو اس راستے کی طرف زیادہ ذہنی رجحان اور میلانِ طبع رکھتے ہیں جس کی تعبیر علامہ اقبال نے نہایت خوبصورت الفاظ میں کی ہے کہ ع

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی!

اپنے اندر جھانکو' تم اللہ کی آیات کا مشاہدہ کرو گے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا' قرآن مجید میں اس کی جانب واضح اشارہ موجود ہے: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾ یہ الفاظ سورۂ حم السجدۃ کی آخری آیات کے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الذاریات میں فرمایا گیا: ﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا تم دیکھتے نہیں' کیا تم کبھی اپنے باطن میں جھانکتے نہیں' اللہ کی آیات تمہارے اپنے باطن میں موجود ہیں۔ اللہ کی معرفت تمہارے قلب میں اور اس کی خداوندی کی ایک سلگتی ہوئی چنگاری

تمہاری روح کے اندر موجود ہے۔ تمہارے باطن میں اللہ کی نشانیاں اسی طرح موجود ہیں جیسے آفاق میں اس کی نشانیاں ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ بہرکیف قرآن مجید اسی انداز سے معرفتِ خداوندی اور ایمان باللہ کی طرف دعوت دیتا ہے کہ یہ آسمان و زمین اور یہ بے شمار مظاہرِ فطرت تمہارے سامنے ہیں' ان کا مطالعہ کرو' ان پر غور کرو' ان کے ذریعے تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔ گویا کہ خواہ یہ بات ان الفاظ میں قرآن مجید میں صراحتاً کہیں نہ آئی ہو لیکن انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ سلسلۂ کون و مکان اور مخلوقات کا یہ وسیع و عریض عالم لامحالہ مستلزم ہے کسی خالق کو' اور اس خالق کی صفات اس سلسلہ کون و مکان اور اس کے مظاہر میں چھلک رہی ہیں۔ چنانچہ اس کائنات میں اس کی حکمت بالغہ' اس کی قدرت کاملہ اور اس کے علم کامل کے مظاہر ہر چہار طرف موجود ہیں۔ اسی حقیقت کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔

اختیارِ مطلق اور حکمتِ کاملہ

آیت کے آخری ٹکڑے پر غور کیجئے: ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا کہ وہی العزیز اور الحکیم ہے۔ وہی ہے جو سب پر چھایا ہوا ہے' جس کے ہاتھ میں اختیارِ مطلق ہے' جو اختیارِ کلی کا مالک ہے۔ العزیز وہ ہستی ہوتی ہے کہ جس کے حکم کے آگے کوئی رکاوٹ نہ بن سکے' جس کی مرضی کے آگے کوئی روک نہ ہو' جس کے اختیارات پر کوئی تحدید (limitation) نہ ہو۔ ان صفات کی حامل ذات صرف اللہ کی ہے۔ لیکن وہ صرف العزیز ہی نہیں الحکیم بھی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے یہ دو نام اکثر و بیشتر ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ اس لئے کہ دنیا میں ہمارا تصور یہ ہے کہ جہاں اختیار زیادہ ہوتا ہے وہاں اس کے غلط استعمال کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ پولیٹیکل سائنس میں یہ بات ایک اصول کی حیثیت سے مانی جاتی ہے کہ:

Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely.

لہٰذا ہمارے ہاں دُنیوی نظاموں میں جب کوئی دستور یا نظام العمل تشکیل دیا جاتا ہے تو عام طور پر Checks and Balances کا ایک نظام بھی وضع کیا جاتا ہے۔ اگر

کسی جگہ اختیارات کا ارتکاز ہو رہا ہے تو ان پر تحدید اور حدود و قیود بھی لازماً عائد کئے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات ہمارے اس تصور سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ اس کا اختیارِ مطلق حدود و قیود سے ماوراء ہے۔ اس پر نہ کسی قسم کے کوئی Checks ہیں نہ کوئی Balances۔ وہ جو چاہے کرے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ ﴿یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ﴾ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ البتہ یہ بات جان لو کہ جہاں وہ العزیز ہے وہاں الحکیم بھی ہے۔ اس کا یہ اختیارِ مطلق الل ٹپ استعمال نہیں ہوتا' حکمت کاملہ کے تحت استعمال ہوتا ہے' اگرچہ یہ کہنا تو سوئے ادب ہوگا' بلکہ بنیادی طور پر یہ کہنا ہی غلط ہوگا کہ اللہ کا اختیار اُس کی حکمت کے تحت استعمال ہوتا ہے۔ یہ ''تحت'' کا لفظ اس اعتبار سے غلط ہے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ کی کوئی صفت کسی دوسری صفت کے تابع نہیں۔ جس طرح اللہ کی ذات مطلق ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی مطلق ہیں۔ ان میں کہیں کوئی تحدید (limitation) نہیں ہے۔ اختیار بھی مطلق' حکمت بھی کاملہ۔ یہ دونوں صفات ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کے اسماء و صفات کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں کبھی حرفِ عطف نہیں لایا جاتا ہے۔ حرفِ عطف مغائرت کو جنم دیتا ہے۔ اللہ کی ان دو صفات کے درمیان اگر حرفِ عطف لایا جائے تو اس کی شکل کچھ یوں ہوگی: ''وَھُوَ الْعَزِیْزُ وَالْحَکِیْمُ'' لیکن اس طرح واؤ کے بیچ میں آنے سے چونکہ کسی قدر فصل واقع ہوتا ہے لہٰذا قرآن میں یہ اسلوب کہیں اختیار نہیں کیا گیا۔ اللہ کی تمام شانیں اور صفات بیک وقت اُس کی ذات تبارک وتعالیٰ میں موجود ہیں' ان میں باہم کوئی بُعد اور کوئی فصل نہیں ہے۔ یہ ہے اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت!

دوسری آیت ـــــ اقتدار و اختیار اللہ کا!

اب سورۃ الحدید کی دوسری آیت پر غور کیجئے۔ فرمایا:

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾

''اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

سورۃ الحدید کے بارے میں یہ بات مَیں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اُمّ المسبّحات

ہے۔ چنانچہ وہ تمام مضامین جو سلسلۂ مسبّحات کی سورتوں میں ایک ایک کر کے آئے ہیں' کم و بیش ان سب کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر یہاں سورۃ الحدید میں بھی موجود ہے۔ یہ مضمون اس سے قبل ہمارے اس منتخب نصاب میں اجمالاً سورۂ تغابن کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے جس کا مطالعہ ''مباحثِ ایمان'' کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾ گویا وہاں جو بات ایک آیت میں آئی تھی وہ یہاں دو آیتوں میں آئی ہے۔

﴿لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یہاں شروع میں جو حرفِ جار ''ل'' آیا ہے وہ اگرچہ عربی زبان میں بہت سے معنوں کا حامل ہوتا ہے لیکن اکثر و بیشتر قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اس کے دو معنی ملحوظ ہوتے ہیں' ایک لامِ استحقاق کے اعتبار سے اور دوسرا لامِ تملیک کے لحاظ سے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا حق بھی اللہ ہی کو پہنچتا ہے اور فی الواقع بھی یہاں اللہ ہی کی بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ آج کی اصطلاح میں ہم یوں کہیں گے کہ "De facto" بھی وہی بادشاہ ہے اور "De Jure" بھی اُسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں حکمرانی کرے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ تخلیق اُس کی ہے' حکم بھی اسی کا چلے گا۔ کائنات اس نے پیدا کی ہے چنانچہ اسی کی مرضی اور اختیار یہاں جاری و ساری ہے۔ یہ اس کا استحقاق ہے' اور بالفعل بھی اسی کی حکومت کا سکہ یہاں رواں ہے' اسی کی مرضی اور اسی کا حکم چل رہا ہے۔

انسانی اختیار کی اصل حقیقت

اتنی وسیع و عریض کائنات کے کسی ایک گوشے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی لاتعداد مخلوقات میں سے چند ایک کو زندگی کے کسی نہایت ہی محدود سے حصّے میں کچھ اختیار بغرضِ آزمائش دے دیا ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اپنے وجود پر اللہ ہی کا حکم جاری و ساری ہے۔ ہمارا یہ پورا جسمانی نظام ہمارے اختیار میں نہیں ہے' بلکہ اللہ کے

بنائے ہوئے قانون کے تابع ہے۔ ہم اپنے جسم کے کسی حصے پر بالوں کی افزائش کو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہمارے دل کی حرکت ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پورے وجود پر اسی کا حکم نافذ ہے۔ البتہ ایک ذرا سا اختیار ہمیں دیا گیا ہے: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ ''چاہے اللہ کے شکر گزار بن کر رہو اور چاہے ناشکری کی روش اختیار کرو''۔ سورۃ الکہف کی ایک آیت کے حوالے سے بھی یہ مضمون اس سے قبل ہمارے مطالعے میں آ چکا ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ ''جو چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کرے''۔ پس اسی قدر اختیار ہمیں دیا گیا ہے۔ یہ ہلدی کی وہ گانٹھ ہے کہ اس کو لے کر کوئی اگر پنساری بن بیٹھے تو بن جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ذرا یہ پردہ اٹھے گا اور دوسرے عالم میں انسان کی آنکھ کھلے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا!

یہ اختیار اور یہ اقتدار' یہ فرعونیت اور یہ قارونیت سب طشت از بام ہو جائے گی۔ معلوم ہو گا کہ یہ ایک دو گھنٹے کا کوئی ڈرامہ تھا کہ جس میں مختلف لوگوں کو عارضی طور پر مختلف کردار الاٹ کر دیئے جاتے ہیں' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ''دنیا کی یہ زندگی محض دھوکے کا سامان ہے'' اور فرمایا: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ ''دنیا کی زندگی کی حقیقت کھیل کود کے سوا اور کچھ نہیں''۔ تو جان لیجئے کہ فی الاصل بادشاہی اس وقت بھی اُسی کی ہے: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

ملحدین کے تصورِ موت وحیات کی تردید

آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا: ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے''۔ یعنی حیات وموت کا یہ سلسلہ از خود نہیں چل رہا' یہ اذنِ ربّ کے تابع ہے' اللہ کے حکم کے تحت ہے۔ ذرا توجہ کیجئے کہ صرف فعل کی نسبت کے حوالے سے زمین وآسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے! اس بات کو کہنے کا ایک انداز تو یہ ہے کہ:

''ہم خود زندہ ہیں' خود مرتے ہیں''۔ لفظ خود کو اگر نکال بھی دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ ''ہم زندہ ہیں' ہم مرتے ہیں''۔ لیکن دوسرا انداز یہ ہے کہ ''وہ (اللہ) ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے''۔ ان دو جملوں میں بظاہر کوئی ایسا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے لیکن نقطۂ نظر کے اعتبار سے ان کے حوالے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ایک حقیقت سے محجوبیت کی عکاسی کرتا ہے' مادہ پرستی اور الحاد کی طرف لے جانے والا ہے' جبکہ دوسرا جملہ معرفت پر مبنی ہے' ایمان باللہ کا مظہر ہے اور حقائق پر نگاہ ہونے کا پتہ دیتا ہے ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

چنانچہ اقسامِ شرک کی بحث کے ضمن میں قرآن مجید کی وہ آیت ہمارے مطالعے میں آ چکی ہے جس میں ملحدین کا پورا نقطۂ نظر چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے: ﴿مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ''نہیں ہے کوئی زندگی سوائے اس دنیا کی زندگی کے' ہم خود مرتے ہیں' خود جیتے ہیں''۔ وہاں موت اور حیات کی نسبت خود اپنی طرف کی گئی ہے جبکہ یہاں سورۃ الحدید میں اس کے بالکل برعکس بات آئی ہے: ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہی (اللہ) زندگی عطا فرماتا ہے اور وہی موت دیتا ہے''۔ یہ اس کا فیصلہ اور اختیار ہے کہ جسے چاہے خلعتِ حیات سے سرفراز فرمائے اور جب تک چاہے اس کی زندگی کو برقرار رکھے۔ اور جب چاہے سلسلۂ حیات کو منقطع کر دے۔ اس سے قبل سورۂ آل عمران میں مباحثِ صبر کے ذیل میں اس آیت کا حوالہ آ چکا ہے' جس کا مضمون بالکل یہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ کہ موت بھی نہیں آ سکتی جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو۔ تم لاکھ چاہو کہ موت آ جائے نہیں آئے گی' تم لاکھ اپنی جان لینا چاہو' نہیں لے سکو گے اگر اللہ کو منظور نہ ہو اور اس کا اذن نہ ہو۔ یہ سلسلۂ موت و حیات اسی کے اختیار میں ہے۔ آگے فرمایا: ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ اس کے حیطۂ اقتدار سے کوئی

صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت و کمیت؟

سورۃ التغابن کے درس میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کی بحث کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ہماری سوچ، ہماری فکر، ہمارے تخیل، ہمارے وہم سب سے وراء الوراء، ثم وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔ یہ تو ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی ماہیت و کُنہ کا معاملہ۔ اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا ہے صحیح کہا ہے کہ ع

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم!

دوسرا پہلو ہے صفات کے حوالے سے معرفتِ الٰہی کے حصول کا۔ ہمارے لئے اللہ کی معرفت کا یہی واحد راستہ ہے، لیکن صفات کے بارے میں بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نہ ان کی کیفیت ہمیں معلوم ہے نہ ان کی کمیت کا کوئی تصور ہم کر سکتے ہیں! ہم جانتے ہیں کہ وہ سمیع ہے، سننے والا ہے، لیکن وہ کیسے سنتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ وہ کتنا سمیع ہے؟ یہ بھی نہیں جان سکتے! ہم جانتے ہیں کہ وہ قدیر ہے۔ کتنا قادر ہے؟ اس کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں ایک لفظ ہماری پناہ گاہ ہے اور وہ ہے ''کُل''۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾ ''وہ ہر چیز پر قادر ہے'' اور ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝﴾ ''وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے''۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس ''کُل'' کا تصور ذہنی سطح کے اعتبار سے بدلتا جاتا ہے۔ کسی کا ذہن اگر بہت ہی محدود ہے تو اس کا تصورِ ''کُل'' بھی بہت چھوٹا سا ہوگا۔ اسی طرح کسی کے ذہن کو اگر وسعت حاصل ہے تو ''کُل'' کا لفظ اس کے لئے وسعت اختیار کر جائے گا، اور جیسے جیسے آپ آگے بڑھیں گے اس لفظِ ''کُل'' کا مفہوم وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا، اور یہ معاملہ وہ ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔

تیسری آیت..... مشکل ترین مقام

اب آیئے سورۃ الحدید کی تیسری آیت کی طرف! یہ قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کی بحث یہاں اعلیٰ ترین علمی سطح پر

آئی ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾

''وہی ہے اوّل (پہلا)' اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں بھی اور غالب بھی) اور وہی ہے باطن (انتہائی مخفی اور چھپا ہوا)''۔

ان چار الفاظ کے حوالے سے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو نقشہ سامنے آتا ہے اور جو تاثر ابھرتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ وہ عقولِ متوسطہ کی گرفت میں آنے والی بات نہیں۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک دعا میں ان الفاظ کی ایک عام فہم تعبیر کے ذریعے عقولِ متوسطہ کے لئے معاملے کو آسان بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید سب کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ عام لوگ جب اس مقام سے گزریں گے تو ان الفاظ کا کوئی نہ کوئی مفہوم ان کے سامنے آنا چاہئے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا کتبِ احادیث میں نقل ہوئی ہے:

((اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ))

''اے اللہ! تُو وہ پہلا ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا' تُو وہ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں' تُو وہ ظاہر اور غالب ہے کہ جس کے اوپر کچھ نہیں' اور تُو وہ مخفی ہے کہ تجھ سے پرے اور تجھ سے زیادہ مخفی اور کوئی نہیں!''

زیرِ نظر آیت کے الفاظ پر گہرائی میں اتر کر غور کرنے سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ ایمان باللہ یا ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں پہلی بات تو یہی ہے کہ خالق کو پہچانا جائے۔ پھر وہ مصور اور خالق کہ جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا' اس کی صفاتِ کمال کا بھی ایک اجمالی علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ عام لوگوں کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے۔ اس کے بعد معاملہ عمل کا رہ جاتا ہے کہ اسی کو پکارو' اسی سے محبت کرو' اسی کو پوجو' اسی کی اطاعت کرو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ' اسی سے مانگو' اسی سے دعا کرو! اس طرح گویا کلمۂ توحید: ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ان تمام مضمرات کا احاطہ ہو جاتا ہے جن کی نشاندہی اہلِ علم و معرفت نے عوام الناس کے لئے کی ہے' یعنی: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ' لَا

مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

خالق ومخلوق کا باہمی تعلّق .....فلسفۂ وجود کا اہم ترین مسئلہ

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا تھا' کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن کا ذہن یہاں رکتا نہیں۔ خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کی ثنویت اور ان کا جدا جدا تصور ایک سوال کو مستلزم ہو جاتا ہے کہ ان کے مابین ربط وتعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس مسئلے کو ہمارے یہاں علم الکلام کی اصطلاح میں ''ربط الحادث بالقدیم'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مان لیا کہ یہ کائنات بغیر کسی پیدا کرنے والے کے نہیں ہے' سلسلۂ مخلوقات مستلزم ہے خالق کی ذات کو' لیکن سوال یہ ہے کہ خالق ومخلوق کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ان دونوں کے مابین نسبت کیا ہے؟ فلسفۂ وجود (Philosophy of Being) کا سب سے مشکل مسئلہ یہی ہے کہ آیا اس کائنات میں خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے مابین کوئی ثنویت اور دوئی ہے کہ خالق کو جدا سمجھا جائے اور مخلوق کو جدا' یا یہ کہ ان کے مابین کوئی اور تعلق ہے! اور اگر کچھ اور ہے تو وہ کیا ہے؟

خلق کے ضمن میں ایک بالکل ابتدائی سطح کا تصور تو یہ ہے کہ جیسے کسی بڑھئی نے لکڑی سے کرسی اور میز بنا دی یا کسی لوہار نے لوہے سے کوئی چیز بنا دی۔ یہ خلق کا سب سے بنیادی اور ابتدائی تصور (Primitive Concept) ہے۔ مذاہب عالم میں بھی یہ تصور موجود رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلے پر انہیں ماننا پڑتا ہے کہ خالق بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم' اس لئے کہ بڑھئی کو کرسی بنانے کے لئے لکڑی بہر حال چاہئے' اسی طرح لوہار کو کوئی تو ایا پرات بنانے کیلئے لوہا بہر حال درکار ہوگا' اس کی تخلیقی قوت کسی مادے پر ہی اپنا اثر ظاہر کرے گی۔ لہٰذا مانا گیا کہ خدا بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر تعدد قُدَماء کا تصور پیش کیا گیا کہ خدا بھی قدیم' مادہ بھی قدیم اور روح بھی قدیم!

ایک دوسرا تصور لوگوں کے ذہن میں آیا کہ خالق ومخلوق کا باہمی تعلق اسی نوعیت کا ہے جیسے برف پگھل کر پانی بن جائے۔ اب برف کو تلاش کرنا کہ وہ کہاں ہے' ایک بے معنی سی بات ہے۔ وہ برف اب کہیں نہیں ہے' یہ پانی ہی برف ہے۔ اب وہ پانی اگر

بھاپ بن کر اڑ جائے تو پانی کا اب کوئی علیحدہ وجود نہیں ہے' وہی بھاپ پانی بھی ہے اور وہی بھاپ برف بھی ہے۔ اس طرح کا ایک تصور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بھی قائم کیا گیا کہ خالق ہی نے درحقیقت کائنات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ عقیدہ ہمہ اوست (Pantheism) کہلاتا ہے جو بدترین شرک ہے' کہ اس کی رُو سے ہر شے الوہیت کی حامل بن جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا ہے۔ یہ سب گمراہی کی صورتیں ہیں ؎

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت دوئی عینِ ضلال است

حلول و اتحاد کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ جیسے پانی میں شکر گھل جاتی ہے اور شکر کا علیحدہ وجود ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ اس کائنات میں حلول کر گیا ہے۔ خالق و مخلوق کے تعلق کے ضمن میں یہ مختلف تصورات دنیا میں رہے ہیں۔ سوچنے والے بہرحال سوچنے پر مجبور تھے۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ انہیں سوچنا نہیں چاہئے تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے تو صحیح ہے کہ جن کے ذہن میں وہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ جسے پیاس لگی ہی نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہوگا' لیکن جسے لگ گئی ہو اُسے تو اب پانی تلاش کرنا ہوگا۔ چنانچہ جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ مسائل کلبلا رہے ہوں' جو لوگ فلسفیانہ مزاج کے حامل ہوں' اور جن کی افتادِ طبع یہ ہو کہ وہ ہر شے کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہوں' بقولِ شاعر ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا!

وہ ان مسائل پر غور و فکر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور خود کو اس معاملے میں بے بس پاتے ہیں۔ (جاری ہے)

اسوہ و سیرت

مقامِ رسالت اور اُس کے تقاضے

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

محاورہ ہے کہ ''گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی'' اگر تجھے لوگوں کے مقام و مرتبے میں فرق نہیں تو تُو حق شناس نہیں ہے۔ یعنی لوگوں کے منصب اور حیثیت سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ حقوق کی ادائیگی بطریق احسن ہو سکے۔ والدین کے حقوق وہی شخص پورے طور پر ادا کر سکے گا جو والدین کی عظمت سے واقف ہو گا۔ اسی اصول کی وضاحت ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ''قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری''۔ یعنی سونے کی قدر اسی کو ہو گی جو سونے کی شناخت رکھتا ہو' اسی طرح جواہرات کی قیمت تو جوہر شناس ہی لگا سکتا ہے۔ ہم اپنے اُستاد کو راہ چلتا دیکھتے ہیں تو ادب کے ساتھ اس کے سامنے جھک جاتے ہیں' مگر اسی اُستاد کے پاس سے سینکڑوں دوسرے لوگ بغیر ادب آداب کے گزر جائیں گے' کیونکہ وہ اس کو پہچانتے نہیں۔ پس بادنیٰ تامل یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جب ہم کسی شخص کے مقام و مرتبہ سے واقف نہ ہوں گے تو اس شخص کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت ہم کیسے متعین (determine) کریں گے؟ چنانچہ مقام رسالت سے آگاہی ہر مسلمان پر لازم ہے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق صحیح بنیادوں پر استوار کر سکے۔

سادہ انداز میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے اس پر مقامِ رسالت تو واضح ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ بات کچھ تشریح طلب ہے' کیونکہ مسلمانوں میں بہت سوں کو رسول اللہ ﷺ کی شرعی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے متعلق کئی طرح کی غلط فہمیاں ہیں۔ جب تک وہ غلط فہمیاں دُور نہ ہوں اور مقامِ رسالت سے آگہی نہ ہو حقوق کی ادائیگی کما حقہ کیسے ہو سکتی ہے!

اطاعت

حضرت محمد ﷺ کی ممتاز ترین حیثیت اللہ کے رسول کی ہے۔ اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا' وحی کے ساتھ سرفراز کیا' منصب رسالت پر مامور کیا اور لوگوں پر آپؐ کی اطاعت لازمی قرار دی' بلکہ رسول کی اطاعت کو خود اللہ کی اطاعت قرار دیا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی''۔

رسول کے علاوہ یہ کسی کا منصب نہیں۔ ماں باپ کا بہت بڑا رتبہ ہے لیکن وہ بھی رسول کے حکم کے تابع ہے۔ اگر وہ بھی کوئی ایسا حکم دیں جس کی رسول اجازت نہ دیتا ہو تو ان کا حکم بھی نہیں مانا جائے گا۔ اس کی وجہ بھی قرآن پاک میں بتادی گئی کہ:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۝﴾ (النجم:۳،٤)

''پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ مگر وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔

جب رسول کی زبان پر سراسر حق جاری ہے تو آپؐ کی اطاعت رب ہی کی اطاعت ہوئی۔ اسی لئے قرآن پاک میں اس مضمون کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۝﴾ (محمد:۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور بصورتِ دیگر اپنے اعمال ضائع نہ کردو''۔

سورۃ الشعراء میں متعدد رسولوں کا اپنی قوم سے یہ خطاب نقل ہوا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝﴾

''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو''۔

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ (النور:٥٤)

''اور اگر تم اس کی پیروی کرو گے تو ہدایت پالو گے''۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾

(النساء:۱۳)

''اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اللہ اسے باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑنے کے بھیانک نتائج سے بھی قرآن پاک میں جابجا خبردار کیا گیا ہے۔ دیکھئے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۞﴾

(النساء:۱۱۵)

''اور جو کوئی خلاف کرے رسول کے بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہوگئی اور پیروی کرے مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کسی دوسری راہ کی تو ہم پھیر دیں گے اس کو جدھر کو وہ پھرا اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی''۔

سورۃ محمد آیت ۳۲ میں پیغمبر کی مخالفت کا انجام حبط اعمال بتایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۞﴾

''بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور انہوں نے رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، البتہ وہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا''۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے غافل رہے اور ادھر اُدھر بھٹکتے رہے روز محشر ان کی رسوائی دیدنی ہوگی، مگر اُس وقت ان کی آہ و زاری، اعترافِ گناہ، پشیمانی اور پچھتاوا کسی کام نہ آئیں گے۔ دیکھئے سورۃ الاحزاب آیت ۶۶:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۞﴾

''جس دن پھیرے جاویں گے مُنہ اُن کے آگ کے اندر، کہیں گے اے کاش ہم نے فرمانبرداری کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسول کی''۔

پھر رسول کا نافرمان روز قیامت اپنے ہاتھ کاٹے گا، افسوس کرے گا، مگر بے فائدہ۔ دیکھئے سورۃ الفرقان آیت ۲۷:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾

''جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں رسول کی ہمراہی اختیار کرتا''۔

ادب واحترام

جس ہستی کو اللہ کا فرستادہ' حق کا ترجمان اور واجب الاطاعت تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ادب واحترام کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات ظاہر و باہر ہے تاہم خود ربّ کائنات نے اس کی اہمیت اجاگر کردی ہے' تاکہ لوگ اس ضمن میں کسی بے احتیاطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ اگرچہ یہ مضمون قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے لیکن سورۃ الحجرات میں اس سلسلہ کی راہنمائی واضح ترین صورت میں آئی ہے جہاں رسول اللہ کے ہاں آنے والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپؐ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپؐ کو آواز نہ دیں' بلکہ کھڑے کھڑے انتظار کریں' اگر آپؐ خود تشریف لے آئیں تو مدعا بیان کرلیں' ورنہ واپس چلے آئیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحُجرات: ٤'٥)

''یقیناً وہ لوگ جو حجروں کے باہر سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں' ان میں بہت سے عقل سے عاری ہیں۔ اور اگر وہ رک جاتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر اُن کے پاس آجاتے تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوتا' اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

پھر اسی سورۃ الحجرات میں آپؐ کی محفل میں بیٹھنے والوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اور جیسے وہ بلند آواز میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اس طرح چلا چلا کر آپؐ کو ہرگز نہ پکاریں۔ ورنہ اتنی سی بات سے ہی ان کے تمام اعمال اکارت چلے جائیں گے جبکہ وہ اس فعل کو معمولی سمجھ رہے ہوں گے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۲)

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے بلند مت کرو اور اُن سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسا کہ اونچی آواز میں تم ایک دوسرے سے بات کر لیتے ہو، بصورتِ دیگر تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی''۔

یوں ایک مسلمان آپؐ کے ادب واحترام میں کوتاہی کا سوچ بھی نہیں سکتا اور نہ ہی آپؐ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے جن سے ذرہ برابر بھی ادب کے تقاضے میں فرق آتا ہو۔

محبت

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر انسان کا محسن کون ہو سکتا ہے جن کے ذریعے سے دولت ایمان نصیب ہوئی جو بخشش کا وسیلہ بن جائے گی۔ پھر انہوں نے انسانوں کے سروں سے وہ بوجھ اتار کر انہیں ہلکا پھلکا کر دیا جو خود انہوں نے اپنے اوپر ڈال رکھے تھے۔ اس طرح انسانوں کو وہ دین یعنی طریقِ حیات نصیب ہوا جو فطرت کے انتہائی قریب اور انسانی نفسیات کو ملحوظ رکھے ہوئے ہے۔ اس میں آسانیاں ہیں، مشکلات نہیں:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے تنگی پسند نہیں کرتا۔''

یہ رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس دین کی سادہ اور عام فہم تعلیمات پر عمل کرنا سہل بھی ہے اور مفید بھی۔ چنانچہ اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی محبت کا تعلق رکھا جائے۔ اگرچہ یہ بات بھی منطقی اور عام فہم ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ رسول اللہ کا حق لوگوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب:٦)

''بلاشبہ نبی (کا حق) تو ایمان والوں کے لئے ان کی اپنی جانوں پر بھی مقدم ہے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات کو ہر مؤمن خود اپنے جسم و جان پر ترجیح دے گا اور مخلوق کے ہر فرد بشر سے زیادہ محبت رسول اللہ ﷺ سے رکھے گا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہو جاؤں''۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا: ''تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ہر شخص سے زیادہ۔ پھر آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمہاری اپنی ذات سے بھی زیادہ؟'' اس پر حضرت عمرؓ نے ذرا توقف کیا اور پھر عرض کیا کہ: ہاں یارسول اللہ۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ!)) یعنی ''اے عمر اب تم مؤمن کامل بنے ہو!'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہی کا تقاضا ہے کہ مسلمان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت مخلوق کی ہر شے بلکہ خود اپنی ذات سے بھی زیادہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے آپؐ کے اشارے پر اپنا جان و مال اور اولاد کو قربان کر دیا۔ آج بھی مسلمانوں میں یہ جذبہ موجود ہے اور وقت آنے پر ہر مسلمان اپنی جان حضور ﷺ پر فدا کرنے کو سعادت سمجھتا ہے۔ اسلامی تاریخ اس قسم کے فدایانہ کارناموں سے بھرپور ہے۔

ختم نبوت

اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر مہربان ہے، انسانوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔ ہر پیغمبر کسی مخصوص خطے یا قوم کی طرف بھیجا جاتا۔ ایک وقت میں ایک سے زیادہ پیغمبر بھی زمین پر موجود رہے، مگر حضرت محمد ﷺ کو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (سبا:۲۸)

''اور ہم نے آپؐ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ پر دین اسلام کی تکمیل کر دی گئی۔ اب اس ضابطۂ حیات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ جس طرح اس دین میں کمی کرنا مذموم ہے اسی طرح اس میں ادنیٰ سا اضافہ بھی اس کی تکمیلی شان کو عیب دار ٹھہراتا ہے۔ اب کوئی دوسرا نبی بھی نہیں آئے گا اور نہ ہی وحی نازل ہوگی۔ آپؐ کی نبوت اب قیامت تک کے لئے ہے۔ اس حقیقت کو بھی قرآن میں واضح کر دیا گیا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (ﷺ) تم مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں پر مہر۔''

اپنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ اس بات کو کھول کر بیان کیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس عنوان کی احادیث تفہیم القرآن' جلد چہارم، صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۴ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میرے لئے تم ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے' لیکن (فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' پس آج اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کذاب ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے اپنے بعد بہت سے نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ آپؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے سارے کے سارے کذاب تھے اور اُن کے کردار و عمل میں پیغمبرانہ عصمت و عظمت کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا' بلکہ قدم قدم پر اُن کا جھوٹ اور دروغ گوئی ظاہر تھی۔ ان میں سے اکثر نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کیا مگر خود پر وحی آنے کے دعوے دار بھی ہوئے' لیکن کسی ایک کو بھی عالمِ اسلام میں پذیرائی نہ ملی' بلکہ ذلیل و خوار ہو کر مرے۔ اب قیامت تک کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی رہے گا اور اسی کلمے کا اقرار کرنے والے اور دل سے یقین اور اعضاء و

جوارح سے اس پر عمل کرنے والے ہی بالآخر فلاح سے ہم کنار ہوں گے۔ اس وحیٔ الٰہی کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمادیا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔''

پس مقامِ رسالت سے آگاہی کا تقاضا ہے کہ آپؐ کی رسالت کو اختتامی اور تکمیلی شان کے ساتھ مانا جائے اور آپؐ کے بعد کسی بھی قسم کی نبوت یا رسالت کو پوری قوت کے ساتھ مسترد کر دیا جائے۔ کیونکہ جب آخری زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے' بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہوں گے اور آپؐ ہی کا کلمہ پڑھیں گے۔

اُسوۂ حسنہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو تمام انسانوں کے لئے مثال قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ طیبہ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جسے ذرا سا بھی غیر معیاری قرار دیا جا سکے۔ کوئی ایسی اخلاقی خوبی نہیں ہے جو آپؐ کے کردار میں نہ پائی جاتی ہو اور کوئی ناپسندیدہ بات ایسی نہیں ہے جس کا صدور کبھی آپؐ کی ذات سے ہوا ہو۔ زندگی میں پیش آنے والے تمام نشیب و فراز سے آپؐ گزرے ہیں مگر ہر قسم کے حالات میں آپؐ کا طرزِ عمل مثالی رہا۔ انتہائی خوشی کے لمحات میں آپؐ کبھی معیار سے فروتر نہیں ہوئے اور اسی طرح کبھی غصے کی حالت میں آپؐ سے غیر معیاری انداز نہیں دیکھا گیا۔ آپؐ نے غریبوں کے لئے نمونہ چھوڑا کہ نادار اور مفلس لوگ بھی پریشان ہو کر ناشکری کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ کئی کئی دن آپؐ کے ہاں چولہا نہ جلتا تھا۔ امیروں اور دولت مندوں کے لئے آپؐ کی زندگی مشعلِ راہ ہے کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ عرب کی دولت آپ کے قدموں میں آ پڑی اور آپ مدینہ کی ریاست

کے سربراہ ہو گئے' مگر اس حال میں بھی آپؐ نے عیش وعشرت کا انداز نہیں اپنایا بلکہ انتہائی سادہ زندگی اختیار کی اور دولت کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے ضرورت مندوں میں تقسیم کیا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ آپؐ کی پیاری بیٹی فاطمہؓ نے آپؐ سے ایک خادم کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے انہیں خادم تو دیا نہیں البتہ تسبیحاتِ فاطمہ کے الفاظ سکھا دیئے کہ یہ غلام وکنیز سے بہتر ہیں۔ آپ ﷺ نے مظلومیت کے دن بھی گزارے جن میں ہر دَور کے مظلومین کے لئے حوصلہ مندی اور ثابت قدمی کی تعلیم ہے' کیونکہ آپؐ نے اور آپ کے باصفا ساتھیوں نے نہایت صبر وثبات کے ساتھ مکی زندگی میں ہونے والے مظالم کو برداشت کیا۔

پھر ایک وقت آیا کہ آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے جہاں سے آپؐ کو نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا' مگر اب بھی آپ جذبۂ شکر وامتنان کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز تھے۔ آپؐ کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے جنہوں نے آپؐ کے ساتھ بدسلوکی کی انتہا کر دی تھی' آپؐ کے سامنے دست بستہ کھڑے تھے۔ آپؐ جس طرح چاہتے اُن سے انتقام لے سکتے تھے مگر آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ تمہیں معاف کیا' آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔'' بطورِ سپہ سالار آپؐ نے کئی عسکری مہمیں اختیار کیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ کسی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے نہ تو کسی بوڑھے' بچے اور عورت پر ہاتھ اٹھانے دیا اور نہ ہی پُرامن دشمن کو نشانہ بنایا' بلکہ مقابلہ پر آنے والے جنگجوؤں کے ساتھ ہی لڑائی کی اور فتح حاصل ہونے پر قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وہ مثالیں قائم کیں کہ قیدیوں نے اس قید کو آزادی پر ترجیح دی۔

آپؐ کرسی عدالت پر بیٹھنے والوں کے لئے بھی مثالی شخصیت تھے۔ آپ نے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے وقت اپنے پرائے' دوست دشمن' امیر غریب کی تفریق ختم کر دی۔ حسب' نسب اور جاہ ومنصب کا بھی کوئی خیال نہ رکھا' بلکہ بے بس اور کمزور کو اس کا حق دلایا۔ صاحب جاہ ومنصب کو دوسروں پر زیادتی سے روک دیا۔ جب بنی مخزوم قبیلے کی ایک عورت پر چوری ثابت ہوئی اور اس کو سزا سنائی گئی تو لوگوں

نے آپؐ کے چہیتے حضرت اُسامہؓ کو آپؐ کے پاس سفارش کے لئے آمادہ کر لیا۔ جب انہوں نے آپؐ کے سامنے مخزومی عورت کی سزا معاف کرنے کو کہا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

عبادت گزاروں کے لئے بھی آپؐ کے نقوش قدم راہنما تھے۔ آپؐ نے ہر جگہ عمل میں اعتدال کو اختیار کیا اور اُمت کے لئے پسند کیا۔ جن لوگوں نے ارادہ کیا کہ وہ گناہوں سے بچنے کی خاطر بیوی بچوں کے چکر میں پڑنے کی بجائے تجرد کی زندگی اختیار کریں گے' اسی طرح ساری ساری رات نمازیں پڑھیں گے اور ہمیشہ روزہ رکھیں گے تو آپؐ نے اُن کو اس طرزِ عمل سے یہ کہہ کر روک دیا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ نکاح میری سنت ہے' میں رات کو عبادت کے لئے جاگتا بھی ہوں' آرام بھی کرتا ہوں' نفل روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ ہر شخص پر اُس کے اپنے نفس کا بھی حق ہے' اسے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے بھی ضروری ہیں اور معاشرے کے دوسرے افراد کا خیال بھی رکھنا ہے۔ گویا آپؐ نے زندگی بھرپور انداز میں بسر کرنے کا نمونہ چھوڑا ہے۔

سربراہِ خانہ کی حیثیت سے بھی آنحضور ﷺ کی زندگی مثالی ہے۔ آپؐ کی ازواجِ مطہرات انتہائی عسرت کی زندگی میں بھی آپؐ سے خوش تھیں۔ آپ اپنی ازواجِ مطہرات' اولاد اور خادموں کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ ڈانٹنا ڈپٹنا آپؐ کے مزاج میں نہ تھا' بلکہ ہر فرد آپؐ کے حسنِ سلوک سے متاثر تھا۔

الغرض ہر شخص کے لئے آپ ﷺ کی زندگی مشعلِ راہ ہے۔ اسی لئے خالقِ کائنات نے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (بیشک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے) فرما کر تمام انسانوں کو آپؐ کی پیروی کی ہدایت کی۔

بشریت

رسول اللہ ﷺ اولادِ آدم میں سے ایک فرد تھے۔ آپؐ مخلوقِ خدا میں سے

سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ آپؐ امام الانبیاء ہیں۔ تمام نبی انسان تھے اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ پس جو ہستی پوری کائنات میں اعلیٰ مقام پر ہوگی وہ بھی انسان ہی ہوگی۔ دوسرے انبیاء کی طرح انسانی کمزوریاں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ آپؐ خوشی کے موقعہ پر خوش ہوتے تھے' ناخوشگوار صورت حال میں ناراض ہوتے تھے۔ کبھی کبھی آپؐ بیمار بھی ہوئے ہیں۔ آپؐ کو زخم آئے اور آپؐ نے درد کی اذیت محسوس کی۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف بھی آپ محسوس کرتے تھے۔ دشمنوں کے مظالم' چیرہ دستیاں' طعن وتشنیع اور الزام تراشی آپؐ کے دل کو آزردہ کرتی تھی۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی پیدائش پر آپؐ نے خوشی کا اظہار کیا اور اُن کی وفات پر آپؐ سخت غمگین ہوئے ہیں۔

ان ساری کیفیات اور داعیات کے باوجود آپؐ ہمیشہ مالک کی رضا پر راضی رہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کبھی کمی نہ کی۔ آپؐ کی اسی صفت کی وجہ سے آپؐ کی زندگی کو انسانوں کے لئے نمونہ اور قابل تقلید قرار دیا گیا' کیونکہ انسان کے علاوہ مخلوق کی کوئی دیگر نوع انسان کے لئے مثال نہیں بن سکتی۔ اگر کسی فرشتے کی زندگی کو انسانوں کے لئے نمونہ بنایا جاتا تو وہ اس کی پیروی کیسے کرتے۔ فرشتے کو نہ بیوی بچوں کی ضرورت' نہ کھانے پینے کی فکر۔ انسانوں کے لئے تو انسان ہی اُسوۂ حسنہ ہوسکتا ہے جس میں تمام انسانی کمزوریاں موجود ہوں مگر وہ انسانی کمزوریوں کو اپنے کردار و عمل پر منفی طور پر اثر انداز نہ ہونے دے' بلکہ اپنی زندگی کو ہمیشہ معیاری رکھے' تاکہ دوسرے لوگوں کو حوصلہ ملے اور وہ بھی اچھا اور پسندیدہ رویہ اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں ایک سے زیادہ مرتبہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی انسان ہی تھے۔ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

○ وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جآءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا ﴿﴾ قل لو کان فی الارض ملئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء
ایک جائزہ

خالد نذیر، ایل ایل ایم شریعہ

حالیہ دنوں میں عورتوں کے خلاف جرائم بالخصوص زنا بالجبر کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ حالات کی یہ سنگینی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم ایک نظر اُن قوانین پر ڈالیں جن کا مقصد عورتوں کے خلاف جرائم کا تدارک اور اُن جرائم کے مرتکب افراد کو سزا دینا ہے۔

معاشرے میں کسی بھی قانون کے نفاذ کا بنیادی مقصد کچھ نتائج کا حصول ہے۔ اور اگر کوئی قانون مطلوبہ نتائج کے حصول میں ناکام ثابت ہو تو قانون سازی کے ذمہ دار ادارے پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس قانون پر نظر ثانی کر کے اس میں موجود سقم کو دُور کرے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کا تجزیہ کریں تو ہم پر منکشف ہوگا کہ اس قانون میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں جرائم کو ایک ہی ترازو میں تولا گیا ہے۔ جو معیارِ شہادت شریعت میں زنا کے جرم کے لئے مقرر ہے اس قانون میں وہی معیارِ شہادت زنا بالجبر کے لئے رکھا گیا ہے اور کیفیت فعل کا پیمانہ بھی دونوں کے لئے ایک ہی ہے، جبکہ درحقیقت زنا بالرضا اور زنا بالجبر دو مختلف جرائم ہیں۔ دونوں کے اس اختلاف کو نہ سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد عورتوں کے خلاف جرائم میں کمی کی بجائے زیادتی واقع ہوئی ہے۔

زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں دو بنیادی فرق ہیں:

۱) پہلا یہ کہ زنا بالرضا خالصتاً حق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے، جبکہ زنا بالجبر میں حق

اللہ کے ساتھ ساتھ حق العبد بھی مجروح ہوتا ہے۔

۲) دوسرا یہ کہ زنا بالرضا' جیسا کہ لفظ سے ظاہر ہے' ایک رضامندی کا فعل ہے' جبکہ زنا بالجبر کی صورت میں ایک مجرم عورت کی ذات' عزت اور شرف پر براہ راست حملہ کرتا ہے۔

یہ تو تھا بنیادی فرق۔ اب خالص قانونی طور پر غور کریں تو شریعت اسلامی میں زنا بالرضا سے متعلق خصوصی معیارِ شہادت اور کیفیت فعل کا سخت معیار دونوں جرائم میں واضح تفریق پیدا کرتے ہیں۔ درج ذیل سطور میں ان نکات کا احاطہ کیا گیا ہے جو ان دونوں جرائم کی امتیازی خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے۔ اس نے اپنے حق کی خلاف ورزی پر زیادہ سے زیادہ معافی اور پردہ پوشی روا رکھی ہے۔

۲) زنا بالرضا میں چار گواہ ہی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک الزام لگانے والا بھی ہے' لہٰذا یہ نہایت نازک ذمہ داری ہے۔ اگر یہ الزام ثابت نہ ہو تو اس پر قذف کی سزا لاگو ہوگی۔ عام گواہی کے معیار سے زیادہ تعداد مقرر کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کے خلاف الزام نہ لگاتے پھریں۔

۳) زنا بالرضا میں شریعت کا مقصود پردہ پوشی اور اخفاء کا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگے رہیں۔ گواہوں کی تعداد میں اضافہ کا بھی یہی مقصد ہے تاکہ لوگوں کی نجی زندگی کی حفاظت کی جائے۔

۴) حد زنا کی صورت میں فقہاء واقعاتی شہادت کا کوئی کردار تسلیم نہیں کرتے اور یہ چیز شریعت اسلامیہ کے اس جرم کے بارے میں عمومی رویہ کے عین مطابق ہے' یعنی جرم کے ثبوت میں سخت معیار اپنائے گئے ہیں تاکہ لوگ ایک دوسرے پر خواہ مخواہ الزام تراشی سے باز رہیں۔

اب تک کی بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زنا بالرضا کی صورت میں شریعت اسلامیہ کا عمومی رویہ اخفا' پردہ پوشی اور جرم کی عدم تشہیر کا ہے۔ اس کا ثبوت اس

جرم کے لئے مقرر کئے گئے خصوصی معیارات ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زنا بالجبر کا مجرم جس نے ایک عورت کی عزت کو پوری زندگی کے لئے خاک میں ملا دیا ہو، وہ بھی اِن سب رعایتوں اور سہولتوں کا مستحق ہے؟ یقیناً نہیں۔ دراصل ارتکابِ فعل میں تشدد کا عنصر شامل ہونے کے بعد جرم کی نوعیت کلیتاً بدل جاتی ہے۔ ارتکابِ فعل کے لئے جبر و طاقت اور ذرائع تخویف کے استعمال کے بعد یہ جرم حق اللہ کے علاوہ حق العباد کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ تمام قانونی رعایتیں اور سہولتیں جو کہ خالق کائنات نے خالص اپنے حق کی خلاف ورزی پر ایک مجرم کو اپنے رحمان و رحیم ہونے کے ثبوت میں عطا کیں جرم کے حق العباد کی حدود میں داخل ہونے کے بعد وہ مجرم اِن تمام رعایتوں سے محروم ہو جائے گا۔

زنا بالجبر

زنا بالجبر دراصل دو جرائم کا مجموعہ ہے: (۱) زنا اور (۲) ارتکابِ زنا کے لئے جبر و طاقت کا استعمال۔ اگر ہم قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو ہم پر عیاں ہوگا کہ کسی بھی جرم میں جب تشدد و جبر کا عنصر شامل ہو جائے تو قرآن مجید اسے ایک جرم ہی نہیں گردانتا بلکہ اس کا شمار فساد فی الارض یعنی دہشت گردی کے زمرے میں کرتا ہے۔ جیسا کہ سرقہ (چوری) کے جرم میں جبر شامل ہو جائے تو وہ عام سرقہ کا جرم نہیں رہتا بلکہ سرقہ بالجبر بن جاتا ہے جو کہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق حرابہ شمار ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ جرم کی نوعیت بدل جاتی ہے بلکہ جرم کے اثبات کے معیارات بدل جاتے ہیں۔ اس کے معیارِ اثبات میں نرمی اور سزا میں سختی آتی چلی جاتی ہے۔ سرقہ ہی کی مثال میں جب ایک عام سرقہ کا جرم سرقہ بالجبر میں بدلتا ہے تو اس کی سزا سخت اور زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی ایک ہاتھ کے ساتھ ایک پاؤں بھی کاٹنا، اور یہ سزا، سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے معیارِ اثبات میں بھی نرمی آ جاتی ہے۔ عام سرقہ کے لئے مال کا نصاب مقرر ہے، یعنی چوری کئے گئے مال کی حد مقرر ہے۔ اگر مال کی مقدار اس سے کم ہوگئی تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہوگی، جبکہ سرقہ بالجبر کی صورت میں امام مالک اور امام

شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نصاب کی قید ختم ہو جائے گی۔ (التشریع الجنائی الاسلامی۔ ڈاکٹر عبدالقادر عودہ، ج ۲، ص ۶۳۹) دوسرے الفاظ میں اب مالِ ماخوذ کی مقداری حیثیت ثانوی ہوگئی، اب جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ اخذ مال کے لئے جبر و طاقت کا استعمال کیا گیا۔ اسی قاعدہ اور اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زنا بالجبر کو عام حد زنا کی بجائے حد حرابہ میں شمار کیا ہے اور اس کی سزا کا استنباط بھی اسی آیت کریمہ سے کیا ہے جس سے سرقہ بالجبر کا استنباط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۝﴾ (المائدۃ: ۳۳)

''ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کئے جائیں، یا سولی پر لٹکا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑی سزا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میں کہیں سرقہ بالجبر کا ذکر نہیں۔ اس کے باوجود فقہاء بالاتفاق سرقہ بالجبر کو حد حرابہ میں شمار کرتے ہوئے اس کی سزا کا استنباط اسی آیت کریمہ سے کرتے ہیں، کیونکہ اس میں اخذ المال علیٰ سبیل المغالبۃ ہے، یعنی مال کے حصول کے لئے طاقت و تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ زنا بالجبر کو حد حرابہ میں شمار کرنے کے لئے اس اصول کے علاوہ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کریمہ میں شہادت موجود ہے، جس میں نسل کے خلاف جرائم کو فساد فی الارض کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ۝﴾ (البقرۃ: ۲۰۵)

''اور جب وہ تمہارے پاس سے جاتا ہے تو اس کی ساری بھاگ دوڑ زمین میں فساد برپا کرنے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرنے کے لئے ہوتی ہے' اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

فی الحقیقت زنا بالجبر نسل کو ہلاک کرنے کی بدترین صورت ہے' کیونکہ نسل کی بربادی ہی اصل میں نسل کی ہلاکت ہے۔ جیسا کہ بیسویں صدی کے اس مہذب دور میں ہم نے دیکھا کہ بوسنیا میں سربیائی افواج نے مسلمانوں کی نسل برباد کرنے کے لئے زنا بالجبر کو اجتماعی طور پر اختیار کیا۔ سورۃ المائدۃ کی آیت حرابہ اور سورۃ البقرۃ میں فساد فی الارض کی تشریح اور وضاحت اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ زنا بالجبر عام حد زنا کا معاملہ نہیں بلکہ حد حرابہ کا معاملہ ہے اور کتب فقہ کے درج ذیل اقتباسات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ زنا بالجبر عام زنا کا معاملہ نہیں بلکہ فقہاء نے زنا بالجبر اور انتہاکِ فرج کو حد حرابہ میں شمار کیا ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیری اپنی مشہور کتاب ''کتاب الفقہ علیٰ مذاہب الاربعہ'' میں فرماتے ہیں:

''مالکیہ کے نزدیک محارب راستہ روکنے والا ہے' خواہ اس کا مقصد مال حاصل کرنا نہ ہو۔ یا یہ کہ وہ اخذ مال محرم کا ارادہ کرے کسی مسلمان' ذمی یا معاہد سے اگرچہ وہ نصاب کو نہ پہنچے' یا یہ کہ اس کا مقصد عزت کو برباد کرنا ہو اس حال میں کہ کوئی فریاد سننے والا نہ ہو۔''

مزید لکھتے ہیں:

''مالکیہ کہتے ہیں سرقہ بالجبر میں مقدارِ نصاب شرط نہیں' بلکہ اُن پر حد جاری کی جائے گی خواہ انہوں نے نصاب سے کم مال حاصل کیا ہو۔ یہ اس لئے کہ محاربہ اخذ مال کے ساتھ مل گیا ہے۔ یہ ان پر تغلیظ ہے قطع طریق کی جہت سے' نصاب سے نہیں۔'' (کتاب الحدود' ص ۴۱۲)

امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب فتح الباری میں فرماتے ہیں:

''حد زنا کو محاربین کے ساتھ ملایا' کیونکہ اس کی بعض صورتوں میں قتل ممکن ہے۔'' (کتاب الحدود' ص ۱۰۹)

مزید فرماتے ہیں:

''مالک، شافعی اور کوفیین کے نزدیک محارب میں ہر قسم کے فساد پھیلانے والے اور قطع طریق کرنے والے شامل ہیں''۔ (کتاب الحدود، ص ۱۱۰)

علامہ ابن حزم محارب کی درج ذیل تشریح فرماتے ہیں:

من شهر السلاح فهو محارب

''جس نے ہتھیار چلایا وہ محارب ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اذ تسور عليهم في بيوتهم بالسلاح قطعت يده ورجله

''جب کوئی کسی کے گھر میں حملہ کرے ہتھیار کے ذریعے تو اس کا ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا''۔

عن الحسن قال : اذا طرقک اللص بالليل فهو محارب

یعنی چور اگر رات کو دروازہ کھٹکھٹا کر زبردستی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو وہ محارب ہے۔

عن قتادة : اذا دخل عليک ومعه حديدة فهو محارب، بهذا ياخذ الشافعي (المحلی بالاثار ۲۷۵،۲۷۴/۲)

''اگر کوئی تمہارے پاس غلط نیت سے ہتھیار بند ہو کر آئے تو وہ محارب ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

مخيف السبيل المفسد فيها هو المحارب المذكور في الاية بلاشک

''راستے میں خوف و ہراس پھیلانے والا اور فساد برپا کرنے والا بلاشک وشبہ محارب ہے جس کا ذکر آیہ کریمہ میں ہے''۔

ابن زبیرؓ سے روایت ہے:

((مَنْ رَفَعَ السِّلَاحَ ثُمَّ وَضَعَهُ فَدَمُهُ هَدَرٌ))

''جس نے ہتھیار اٹھایا اور پھر اس کو استعمال کیا (ناجائز) تو اس کا خون حلال ہے۔''

یعنی اس حالت میں اس کو کوئی مار ڈالے تو اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ

نے فرمایا:

((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْس مِنَّا)) (متفق علیہ)

''جس نے ہم پر ہتھیار کے ساتھ چڑھائی کی وہ ہم میں سے نہیں۔''

یعنی جو شخص ناجائز طور پر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے وہ ملت اسلامیہ کا حصہ نہیں رہتا۔

علامہ ابن حزم مذکورہ بالا احادیث کے حوالوں کے بعد نہایت خوبصورت اور واضح الفاظ میں محارب کی تعریف بیان فرماتے ہیں:

کل من حارب المار ' واخاف السبیل بقتل نفس او اخذ مال او لجراحة او لانتهاک فرج فهو محارب علیه وعلیهم کثروا واقلوا حکم المحاربین المنصوص فی الایة لان اللّٰه تعالی لم یخص شیئا من هذه الوجوه اذ عهد الینا بحکم المحاربین

''ہر کوئی جو گزرنے والے سے (بلا اشتعال) لڑے' راستے میں خوف و دہشت پھیلائے' قتل و غارت سے' اخذ مال سے' زخم لگانے سے یا زنا کاری کے ذریعے خواتین کی عزت پامال کر کے تو وہ محارب ہے۔ وہ کم ہوں یا زیادہ سب پر آیت کریمہ میں محاربین سے متعلق منصوص حکم لاگو ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرابہ کو کسی ایک خاص جرم کی نوعیت کے ساتھ خاص نہیں کیا' بلکہ محاربین سے متعلق حکم الٰہی میں جرائم کی جملہ انواع شامل ہیں۔''

محولہ بالا سورۃ المائدۃ اور البقرۃ میں وارد احکاماتِ الٰہیہ اور فقہاءِ کرام کی اس بارے میں تصریحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زنا بالجبر کا معاملہ عام حد زنا کا معاملہ نہیں بلکہ اس کا شمار حد حرابہ میں ہوگا۔

وفاقی شرعی عدالت پہلے ہی اپنے ایک فیصلے میں اس اصول کو تسلیم کر چکی ہے۔ (PLD 1989 FSC134) ضرورت اس امر کی ہے کہ مذکورہ بالا گزارشات کی روشنی میں متعلقہ قانون میں مناسب ترمیم کی جائے تاکہ عورتوں کے خلاف جاری پرتشدد جرائم کا تدارک ہو سکے۔ اب بلا تاخیر اس بارے میں مناسب اقدام کرنا چاہئے۔ اس معاملے میں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے' اب زیادہ دیر مناسب نہیں۔

بحث و نظر

انسانی اعضاء کی پیوند کاری

پروفیسر نذیر احمد ہاشمی

ماہ جولائی کے حکمت قرآن میں ''انسانی اعضاء کی پیوند کاری'' کے عنوان سے چوہدری خالد نذیر صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا۔ اس پر ہمارے ادارۂ تحریر کے فاضل رکن پروفیسر نذیر احمد ہاشمی صاحب کا تحریر کردہ مختصر تبصرہ نذر قارئین ہے۔ اہل علم حضرات اگر اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال سکیں تو ان کے لئے حکمت قرآن کے صفحات حاضر ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معاملہ میں اجتہاد کیا جائے اور اس کے تمام گوشے زیر بحث لائے جائیں۔ مثلاً:

۱) انسان کا جو عضو ناکارہ ہوا ہے انسانی جسم میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ آیا اس پر حیات انسانی کا مدار ہے' یا وہ انسانی جسم کے کسی بنیادی مقصد کو پورا کرتا ہے یا اس کے ناکارہ ہونے سے انسانی جسم کی فطری زیبائش میں کمی آتی ہے؟

۲) اگر ناکارہ عضو کی جگہ لینے والی چیز کا تعلق غیر ذی روح سے ہے تو اس میں پاکی و ناپاکی کا سوال ہوگا۔ دھات یا لکڑی وغیرہ کے بنے ہوئے دانت' ناک' پاؤں' ہاتھ کا استعمال شرعاً کیسے ہوگا؟

۳) ناکارہ عضو کی جگہ لینے والے عضو کا تعلق اگر حیوان سے ہو تو اس کی تفصیلات طے کی جائیں گی' ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم وغیرہ۔ نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اگر انسانی زندگی بچانے کے لئے خنزیر کے والو وغیرہ لگانے کی ضرورت پڑے تو کیا یہ صورت بھی اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ میں داخل ہوگی؟

۴) اگر متبادل شے انسانی جسم ہی کا جزو ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: مائع' غیر مائع۔ کیا

ان دونوں کے حکم میں کوئی فرق ہے؟ اگر ہے تو کیا اور کیوں؟ پھر مائع اور غیر مائع دونوں صورتوں میں اس کی آگے دو صورتیں ہوں گی۔

۱) انسانی جسم میں اسی انسان کے جسم کا کوئی جزو یا عضو لگانا۔

۲) دوسرے انسان کے جسم کا کوئی جزو مریض انسان کے جسم میں پیوند کرنا۔

پھر دوسرے انسان کے جسم کا کوئی عضو حاصل کرنے کی صورت میں اس کی اجازت درکار ہوگی یا نہیں؟ نیز اس کے جسم سے عضو کی منتقلی اس کی حیات میں یا مرنے کے بعد' دونوں صورتوں کا حکم وغیرہ بہت سے مسائل ہیں جن کا جواب تحقیق طلب ہے۔ لہٰذا دورِ جدید کے اہل علم حضرات کو اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہئے۔

زیرِ نظر مضمون پر تبصرہ

۱) بطورِ علاج انسانی جسم میں جمادات یا حیوانات کے اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے۔

۲) انسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوندکاری کر سکتا ہے؟ طرفین کے نزدیک جائز نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

۳) ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوندکاری کا مسئلہ۔ بعض حضرات نے ''الضرورات تبیح المحظورات'' اور ''المشقة تجلب التیسیر'' کے اصول کے تحت اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن بہت سارے فقہاء نے اس کو مندرجہ ذیل مختلف اسباب کی بنا پر حرام قرار دیا ہے:

۱) علیحدہ شدہ اعضاء کا ناپاک ہونا۔

۲) حرام ہونا۔

۳) انسان کا خود اپنے جسم کا مالک نہ ہونا اور اللہ کی طرف سے اپنے وجود کا امین ہونا۔

لیکن خود فقہاء متقدمین نے انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے مختلف جزئیات میں ان تمام امور کی اباحت کو قبول کیا ہے۔ ناپاک وحرام اشیاء سے علاج کی

اجازت بھی دی ہے اور اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت بھی دی ہے جو کسی نص صریح سے متعارض نہ ہو۔ اصل علت جو مانعین کے پیش نظر ہے' وہ انسانی حرمت و کرامت کا تحفظ ہے۔ اکثر فقہاء نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو اسی لئے منع کیا ہے کہ انسان متاعِ خرید وفروخت نہ بن جائے' یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔ کتب فقہ میں کثرت سے ایسی عبارتیں موجود ہیں' مثلاً:

۱) لم یجز بیع شعر الانسان والانتفاع به لان الآدمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوز ان یکون شیئ من اجزائه مهانا مبتذلا (بحر الرائق ۸۱/۶)

۲) ان شعر الآدمی لا ینتفع به اکراماً للآدمی' قیل الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز للنجاسة وقیل للکرامة وهو الصحیح

(فتاویٰ عالمگیری ۳۵۴/۵)

لیکن کیا موجودہ پیوندکاری کا طریقہ اہانت انسان میں داخل ہے جب کہ اہانت وتکریم کا مدار عرف پر ہے؟ کم از کم موجودہ زمانے میں اس عمل کو انسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا' بلکہ الٹا یہ چیز نیک نامی کا باعث ہے۔ ایک جسم انسانی سے خون دوسرے جسم انسانی میں منتقل کرنے کے جواز پر قریب قریب اتفاق ہے' حالانکہ جزوِ انسانی سے انتفاع کو مطلقاً توہین انسانی باور کیا جائے تو اسے بھی ناجائز کہنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے تحفظ اور بقاء کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ ۲۶۱/۴۔

علامہ سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں لکھا ہے: اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کرتا ہو تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکالا جائے گا' اس لئے کہ اس میں ایک انسان کو زندگی بخشنا ہے اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کی عظمت کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی اصول سے یہ مسئلہ بھی متعلق ہے کہ مضطر اپنی جان بچانے کے لئے کسی مُردہ

انسان کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا۔ **وقال الشافعی و بعض الحنفیة یباح وھو اولی لان حرمة الحی اعظم** (المغنی لابن قدامہ ۹/۳۳۵)

مشہور مالکی فقیہہ ابن عربی نے بھی اس مسئلہ میں شوافع کی رائے اختیار کرتے ہوئے کہا ہے: **الصحیح عندی ان لا یاکل الآدمی الا اذا تحقق ان ذلک ینجیه ویحییه** (حوالہ سابق)

اس مسئلہ میں بہت زیادہ تفصیلات ہیں جو تبصرہ میں نقل نہیں کی جاسکتیں۔ ہر طرح کی جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں جن کا احاطہ اس وقت میرے لئے ممکن نہیں۔ مختصر طور پر شریعت نے بعض مواقع پر انسانی وجود اور اس کے اعضاء کو متقوم مانا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان قتل کر دیا جائے یا اس کا کوئی جز وتلف کر دیا جائے تو قاتل اور متلف پر اس کی دیت واجب ہے۔ نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ آزاد انسان کے پورے وجود کی خرید وفروخت نہیں ہو سکتی۔ اجزاء میں بال اور دودھ کی خرید وفروخت کو بھی منع کیا گیا ہے اور وجہ انسانی حرمت وکرامت ہے۔ احناف کے نزدیک دودھ کی خرید وفروخت جائز نہیں، شوافع کے نزدیک جائز ہے۔ فقہاءِ حنابلہ کے درمیان گو اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن حنبلی دبستانِ فقہ کے مشہور ترجمان ابن قدامہ کے نزدیک ترجیح دودھ کی خرید وفروخت کے جواز کو ہے۔ لہٰذا احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری ایسے اعضاء کی شراء جائز ہوگی بیع نہیں، جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایسے اعضاء کی خرید وفروخت دونوں جائز ہوں گی۔ اس سلسلے میں ابنِ قدامہ کی یہ عبارت اور اس کا عموم قابل لحاظ ہے:

وسائر اجزاء الآدمی یجوز بیعھا فانه یجوز بیع العبد والامة

(المغنی ۴/۱۷۷)

خلاصہ بحث

۱) اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری کے لئے جو طبی طریقہ ایجاد ہوا ہے اس میں توہین انسانیت نہیں ہے۔

۲) اس لئے یہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصود کسی مریض کی جان بچانا یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو، جیسے بینائی۔

۳) اور طبیب حاذق نے بتایا ہو کہ اس کی وجہ سے صحت کا گمان غالب ہے۔

۴) غیر مسلم کے اعضاء بھی مسلمان کے جسم میں لگائے جا سکتے ہیں۔

۵) مُردہ شخص کے جسم سے عضو لیا جا رہا ہو تو ضروری ہوگا کہ خود اس نے زندگی میں اجازت دی ہو۔ نیز اس کے ورثاء کا بھی اس کے لئے راضی ہونا ضروری ہے۔

۶) زندہ شخص کا عضو حاصل کیا جا رہا ہو تو ضروری ہوگا کہ خود اس نے اجازت دی ہو اور خود اس وجہ سے اس کو ضرر شدید نہ ہو۔

۷) اعضاء کی بینکنگ (جیسے بلڈ بینک یا آئی بینک وغیرہ) بھی درست ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اعضاء کی خرید و فروخت دونوں کی گنجائش ہے اور احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری خرید جائز ہے فروخت جائز نہیں۔

هذا ما عندی و اللّٰه اعلم بالصواب

بقیہ: مقام رسالت اور اس کے تقاضے

عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۴، ۹۵)

''جب لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ گئی تو انہیں ایمان لانے سے یہ بات مانع ہوئی کہ وہ کہنے لگے کہ کیا آدمی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دیجئے: اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم اُن پر آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔''

پھر سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

(الکہف: ۱۱۰)

''(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے میں تو ایک انسان ہوں تمہاری طرح، البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔''

تمباکونوشی کی حرمت

دلائل و براہین کے آئینے میں

تحریر: ابراہیم محمد سرسیق ـــــ ترجمہ: ابوعبداللہ شیخ

علماءِ اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمباکو نوشی ایک ایسی وبا ہے جسے کوئی صاحبِ عقل قبول نہیں کرسکتا۔ اس کے حرام ہونے میں کئی دلائل پیش کیے جاتے ہیں جو صاف طور پر تمباکونوشی کے حرام ہونے اور انسان کے لئے ایک خطرہ ہونے کا ثبوت ہیں' کیونکہ تمباکونوشی جانی اور مالی نقصان کا سبب بنتی ہے ـــــ اور یہ دونوں چیزیں ان پانچ قیمتی چیزوں میں سے ہیں جن کی حفاظت ہر مسلمان پر واجب ہے۔

کیا تمباکونوشی ایک خبیث شے نہیں ہے جس سے اُمت محمدیہ کو دُوری اختیار کرنی چاہئے جبکہ اُمت محمدیہ دُنیا کے لئے بنائی گئی سب سے بہتر اُمت ہے؟

آئندہ صفحات میں ہم خاص خاص اقوال پیش کررہے ہیں جن سے تمباکونوشی کا مکروہ پن ظاہر ہوجاتا ہے' جن سے ہر شبہ کا ازالہ ہوجائے گا ہر ایسے مسلمان کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کے عذاب سے خوف رکھتا ہے۔ ذیل میں ان اصولوں کی تشریح کی جارہی ہے جن کی وجہ سے تمباکونوشی کا حرام ہونا ثابت ہوجاتا ہے' تاکہ ہر مسلمان یہ جان لے کہ وہ سگریٹ کی ہر ڈبیہ کے استعمال سے جسے وہ دھواں بنا کر ہوا میں پھونک دینا چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہورہا ہے۔

پہلی بات: صحت کا ضیاع

کوئی صاحب عقل بھی اس بات میں شک نہیں کرسکتا کہ صحت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ہے جو اُس نے اپنے بندوں پر کر رکھی ہیں' اور یہ شرعی واجبات میں سے ہے کہ اپنی صحت کی ہر تکلیف اور بیماری سے حفاظت کی جائے۔ اسی لئے اللہ کریم نے ہر

بیماری کے لئے دوا بھی پیدا کر رکھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((تداوُوا عباد اللّٰه ' فَاِنَّ اللّٰهَ تعالٰی لَمْ يَضعْ دَاءً الاّ وضع لَهُ دَوَاءً غيرَ دَاءٍ وَاحدِ الْهرم)) (مسند احمد ' ابو داؤد ' الترمذی)

''اللہ کے بندو! علاج کر لیا کرو' بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں بنائی جس کا علاج نہ پیدا کیا ہو' سوائے ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔''

اور بڑی عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھوں سے صحت و عافیت کو تباہ کرتا ہے جبکہ وہ اس کی حفاظت کا پابند ہے۔ وہ تمباکو نوشی کے سبب اپنی انگلیاں جلاتا ہے' اپنی رگِ جاں پر ظلم کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی زندگی اور اس کی حفاظت کے عناصر کو تباہ کرتا ہے۔ حدیث پاک میں حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ

(رواہ احمد و ابو داؤد)

''منع فرمایا رسول کریم ﷺ نے ہر نشہ آور اور فتور والی چیز سے''۔ (مفتر سے مراد اعصاب کو متاثر کرنے والی اشیاء ہیں)

الشیخ محمد بن ابراھیمؒ کا قول ہے کہ:

''پس جب ضرورت' تجربے اور مشاہدے سے اس چیز کا علم ہو چکا ہے کہ تمباکو نوشی کرنے والے کی صحت اور عقل پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے کھانسی' دمہ' بے ہوشی اور متعدی بیماریاں' جیسے پھیپھڑوں کا سرطان اور قلبی بیماریاں اور دل کی حرکت بند ہونے سے موت کا واقع ہو جانا' نیز اس کے سبب سے خلل عقلی واقع ہو جاتا ہے' یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس کا استعمال حرام ہے۔''

جس طرح عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ صحت کے اسباب مہیا کئے جائیں اور نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اسی طرح عقل کا یہ تقاضا بھی ہے کہ نقصان اور ہلاکت کے اسباب سے باز رہا جائے اور جتنا زیادہ سے زیادہ اس سے دُور رہنا ممکن ہو' دُور رہا جائے۔

جسم اور صحت جیسی متاعِ عزیز کی تباہی کو تمباکو نوشی کے حرام ثابت کرنے کے لئے جو اہمیت حاصل ہے اس کی تشریح کے لئے بڑے بڑے ڈاکٹروں کی رائے کو پیش کیا جائے گا' تا کہ اس مرگِ سست رفتار کے چاہنے والوں پر یہ واضح ہو جائے کہ جتنا ہم ان

کو ڈرا رہے ہیں وہ اس سے زیادہ اپنے اس فعل کے سبب اپنی جان کے لئے ڈر کے اسباب مہیا کر رہے ہیں' اگر چہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے۔

دوسری بات: مال کا ضیاع

تمباکو نوشی کے ذریعے مال کا اتلاف بہت بڑے خطرے کی بات ہے۔اس ذریعے سے دو طرح کا نقصان ہوتا ہے:

i) انسان کے اپنے ذاتی اور انفرادی اموال کا تباہ ہو جانا۔

ii) قومی اقتصادی حالت پر بُرا اثر پڑنا۔

جہاں تک پہلے نقصان کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے تمباکو نوشی ایک کھلے شگاف کی طرح ہے جس سے روزانہ ایک خاطر خواہ رقم ضائع ہو جاتی ہے۔مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ اس سے خود اپنے جسم کو کمزور کرنے اور اپنی صحت کو تباہ کرنے کے اسباب خریدتے ہیں۔اپنے اس غیر معقول فعل کی بدولت وہ جاہلوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں' لہٰذا ان کی نگرانی لازمی ہے اور انہیں اپنے اموال کے آزادانہ خرچ کرنے سے منع کرنا واجب ہے۔

یہ لوگ اپنے اس فضول خرچی کے کام اور مال کے ضیاع کے سبب سے دھتکاری ہوئی مخلوق یعنی شیطان کے دوست اور بھائی بن جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۲۷)

''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔''

شیطان کا بھائی بن جانا ایسا عمل ہے جس سے ہر تمباکو نوشی کرنے والے انسان کو اپنے ربّ سے شرم محسوس کرنی چاہئے اور اس قطعی غیر معقول مشغلے کو ہرگز جاری نہیں رکھنا چاہئے۔چنانچہ ایک لحہ کی تاخیر کے بغیر اس ڈبیہ کے استعمال کو ترک کر دینا چاہئے جو کہ حقیقت میں بربادی اور نقصان کا دروازہ ہے۔

پس اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ سگریٹ نوش اپنے مال سے ایسی

چیز خریدتا ہے جو اُس کے جسم میں فساد اور کمزوری کا سبب بنتی ہے اور اس طرح وہ ایک وقت میں دوہرا نقصان کماتا ہے۔ اسلام میں جب محض فضول خرچی کو حرام قرار دیا گیا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس شخص کے لئے اور زیادہ سخت حکم ہے جو فضول خرچی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے لئے کمزوری اور نقصان کا سامان بھی خریدتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ تو کھلا جنون ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں اور اپنی رقم سے ایسی چیز خرید لے جس سے اس کو منع کیا گیا ہے۔ حدیث کی دو معتبر کتابوں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ وَوَاْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعًا وَھَاتِ وَکَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَکَثْرَۃَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے اپنی ماؤں کی نافرمانی و حق تلفی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، نیکیوں سے منع کرنا اور لوگوں سے سوال کرنا، اور ناپسند کیا ہے تمہارے لئے لغو باتیں کرنا، کثرت سے سوال کرنا اور اپنے مال کو ضائع کرنا۔''

اگر تمباکو نوشی فضول خرچی کے سبب حرام نہ بھی ہو تو اسے اس بنیاد پر حرام قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ سست روخودکشی کے مترادف ہے جس سے انسان کی طاقت اور عافیت اس حد تک متاثر ہو جاتی ہے کہ وہ پھیپھڑوں کے سرطان جیسے مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔

قومی معیشت پر سگریٹ نوشی کے اثرات

۱۹۶۳ء میں چھپنے والی ''سگریٹ نوشی کے متعلق فہم عامہ'' (Common Sense About Smoking) نامی کتاب کے مطابق تحقیق کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک شخص جو اپنی عمر کے سترہویں سال سے سگریٹ نوشی شروع کرتا ہے، وہ اکیلا برطانیہ میں تقریباً چار ہزار پونڈ اسٹرلنگ اپنی اس عادت پر صرف کر دیتا ہے جو پاکستانی روپوں میں تقریباً اسّی ہزار سے زیادہ رقم بنتی ہے۔ ایک تمباکو نوش اتنی بڑی رقم صرف اس فضول مشغلے پر ضائع کر دیتا ہے۔ اور یہ تو ۱۹۶۳ء کی بات ہے، اس کے بعد سے جو سگریٹوں کی قیمت میں مسلسل اضافہ ہوا ہے اس کے باعث یہ رقم اب کئی گنا بڑھ

چکی ہے۔

امریکہ میں وزارتِ صحت کی مشاورتی کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:
''سگریٹ نوش ہی عموماً آگ لگنے کا باعث بنتے ہیں' کیونکہ اکثر سگریٹ پینے والے ایسے مدہوش ہو جاتے ہیں کہ وہ سگریٹ کے آخری ٹکڑے کو بے پروائی سے اِدھر اُدھر پھینک دیتے ہیں۔ بسا اوقات سگریٹ ان کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور نیند غالب آ جاتی ہے جس سے ان کی آرام گاہ میں آگ بھڑک اٹھتی ہے جو پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور یہ سگریٹ نوش ہی سب سے پہلے اس سے ہلاک ہوتے ہیں۔ سگریٹ نوشی کرنے والوں کی غفلت کے سبب سے کتنے ہوٹل ہیں جو حادثات کا شکار ہو چکے ہیں' کتنی عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں' کتنی کمپنیاں تباہ ہو چکی ہیں اور ان میں موجود سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اس فعلِ بد سے نہ صرف ان کی اپنی جان جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ کتنے ہی دوسرے بے گناہ افراد بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔''

ایک انشورنس کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ آگ لگنے کے واقعات میں سے تیس فیصد صرف سگریٹ پینے والوں کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے! آپ اگر سگریٹ پینے والوں کا مشاہدہ کریں تو ان میں سے اکثر کے کپڑے سگریٹ کے شرارے سے جل چکے ہوں گے' یا پھر ان کی جلد کہیں نہ کہیں سے ضرور جلی ہوئی ہوگی' یا ان کی انگلیاں کالی ہو چکی ہوں گی اور یہ سارا عذاب خود ان کا اپنا اختیار کردہ ہے۔

تیسری بات: تعفّن آمیز بدبو

میں سوال کرتا ہوں کہ کون ہے تم میں سے جو سگریٹ پینے والے سے ایک منٹ سے زیادہ قریب ہو سکے؟ کس میں طاقت ہے کہ سگریٹ پینے والے کے مُنہ سے آنے والی بدبو کو بخوشی برداشت کر سکے؟ اس بدبو کی وجہ سے سگریٹ پینے والے کے دانتوں کا بھی حلیہ بگڑ چکا ہوتا ہے' ان پر کئی کئی رنگوں کی تہہ جم چکی ہوتی ہے' اور جب بھی کہیں چڑھنا اترنا ہو تو اس کا سانس پھولنے لگتا ہے۔

نماز باجماعت کے دوران کئی مرتبہ صرف اس وجہ سے ٹیڑھی ہو جاتی ہیں کہ ایک

شخص کے منہ سے آنے والی سگریٹ کی بدبو کو ساتھ والا برداشت نہیں کر سکتا اور اس طرح صفیں بکھر جاتی ہیں ۔ یوں سگریٹ نوش اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے تکلیف واذیت کا سبب بن جاتا ہے' جس بے چارے کا کوئی قصور نہیں سوائے اس کے کہ وہ سگریٹ پینے والے کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو گیا ہے۔

حدیث شریف کی کتاب الطبرانی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ آذٰی مُسْلِمًا فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ))

''جس نے کسی مسلمان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی۔''

اور صحیحین شریفین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمَلَا ئِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ النَّاسُ))

''بے شک ملائکہ کو بھی اس چیز سے ایذا پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔''

اسلام میں دینی اجتماعات کے تقدس کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے اچھے آداب کی تعلیم دی گئی ہے اور اچھے اخلاق کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ شرکاءِ اجتماع کو ایذا رسانی سے منع کیا گیا ہے' خواہ یہ اجتماع عبادت کے لئے ہوں خواہ نماز کی ادائیگی کے لئے' خصوصاً جب ان اجتماعات سے مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت' نیکی اور ثواب کی رغبت اور مسلمانوں کی یکجہتی کا مظاہرہ ہے۔ حضرات شیخینؒ نے صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

((مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْبَصَلًا فَلْیَعْتَزِلْنَا وَلْیَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْیَقْعُدْ فِیْ بَیْتِہٖ))

''جس نے لہسن یا پیاز کھایا ہو وہ ہم سے الگ رہے اور ہماری مساجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔''

یہ امر پیش نظر رہے کہ لہسن اور پیاز کی بو سگریٹ کی بدبو سے کئی درجے کم ہوتی ہے اور وقتی طور پر ہی ہوتی ہے' ہمیشہ کے لئے نہیں اور یہ منہ کو اچھی طرح صاف کر لینے سے

زائل ہو جاتی ہے۔اور پھر یہ بُو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز کئے گئے دو حلال کھانوں کی ہے' جیسا کہ السنن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَمَرَ اَكْلِ الْبَصَلِ وَالثُّوْمِ اِنْ يُمِيْتُهُمَا طَبْخًا))

''آپؐ نے حکم دیا پیاز اور لہسن کھانے کا اگر یہ دونوں سالن میں مار لئے گئے ہوں۔''

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کو کھانا پیش کیا گیا جس میں لہسن شامل تھا تو آپؐ نے وہ کھانا حضرت ابوایوب انصاریؓ کو بھجوا دیا۔انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپؐ اس کو ناپسند فرماتے ہیں اور یہ کھانا مجھے بھجوا دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنِّي اُنَاجِيْ مَنْ لَا تُنَاجِيْ))

''میں تو (ہر وقت) مناجات کرتا رہتا ہوں اس کی جناب میں جو مناجات نہیں کرتا۔''

(یعنی حضور اکرم ﷺ کا تعلق ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رہتا تھا اور آپؐ پر فرشتہ وحی لے کر آتا تھا اس لئے آپ ﷺ نے مطلقاً پرہیز فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب: مترجم)

علامہ ابن القیمؒ نے پیاز کے فوائد میں لکھا ہے کہ یہ معدہ کو تقویت پہنچاتا ہے' قوتِ باہ کو بڑھاتا ہے' منی میں اضافہ کرتا ہے' بلغم کو کم کرتا ہے اور معدے کو صاف کرتا ہے' جبکہ لہسن کے فوائد میں سے ہے کہ یہ کھانے کو ہضم کرتا ہے' پیاس کو بجھاتا ہے' پیشاب کو صحیح خارج کرتا ہے' دردوں اور زخموں کے لئے تریاق کا کام کرتا ہے—— لیکن سگریٹ نوشی کا کیا فائدہ ہے؟

﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

''لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو تو!''

سگریٹ پینے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے لئے اور معاشرے کے لئے اللہ کا خوف کرے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ سگریٹ کی یہ بدبو اس کے ساتھ رہنے والوں اور ملنے جلنے والوں کو اس سے متنفر کر دیتی ہے' اگرچہ وہ اپنی زبان سے اس نفرت کا اظہار اس کے خوف یا ادب کی بنیاد پر نہ کرتے ہوں۔ لیکن کیا ادب کی وجہ سے ایک غلط

چیز صحیح بن سکتی ہے؟ یا مکروہ چیز مباح ہو سکتی ہے؟ اور اس بارے میں مزید کھل کر بات کریں تو کیا سگریٹ نوش کو احساس ہے کہ اس کی اس عادت کی وجہ سے اس کی بیوی کے کیا احساسات ہیں؟ کیا وہ یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے مُنہ سے آنے والی گندی بو کو بادل نخواستہ صرف اس لئے برداشت کرتی ہے کہ وہ اس کا خاوند ہے' کیونکہ سگریٹ نوشی سے نہ صرف اس کے مُنہ سے یہ بدبو آتی ہے بلکہ اس کے ماحول کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

ہر مسلمان کو تدبر کرنا چاہئے کہ ہمارے پیارے رسول الصادق والمصدوق ﷺ اپنے ربّ سے کیا دعا فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ کما حَسَّنْتَ خلقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ))

''اے اللہ! جس طرح تُو نے مجھے اچھی شکل وصورت میں بنایا ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے بنا دے۔''

اور فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَاءِ وَالْاَدْوَاءِ))

''اے اللہ! مجھے محفوظ رکھ بُرے اخلاق سے' بُرے کاموں سے' خواہش نفس سے اور بُری بیماریوں سے۔''

یہ حدیث شریف ترمذی میں روایت کی گئی ہے اور امام حاکمؒ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پس درود وسلام ہو اس ذات پر جو اعلیٰ ترین انسانیت کا کامل نمونہ تھے۔

چوتھی بات: نکوٹین سے جسم کا نشہ میں آ جانا

میں ان لوگوں کو چیلنج کرتا ہوں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سگریٹ نوشی میں نہ کوئی نشہ ہے اور نہ کوئی فتور ہے۔

حالات وواقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ سگریٹ پینے والے میں اس قدر نشہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اعصاب کو مکمل طور پر قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ اس کا کامل مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی سگریٹ کی ڈبیہ کہیں رکھ کر بھول جاتا ہے اور پھر اسے تلاش

کرتا ہے۔ ایسے میں اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے ہوتے ہیں کہ یہ شخص پاگلوں کی طرح اس نشہ آور چیز کی تلاش کر رہا ہے جو اس کے اعصاب پر پوری طرح اپنی گرفت کر چکی ہے اور اس کے اندر اپنا زہر داخل کر کے اس کے لئے ایک عادت بن گئی ہے۔

اس باب میں علمی حقائق اور سائنسی تحقیقات نہایت چونکا دینے والی ہیں۔ ہم یہ حقائق من وعن سگریٹ نوشی کرنے والے افراد کو تحفہ کے طور پر پیش کرتے ہیں تا کہ انہیں احساس ہو کہ وہ خرابی کے کس راستے پر چل رہے ہیں۔

نکوٹین کا انکشاف ۱۸۲۸ء میں دو جرمن سائنس دانوں بوسلٹ (Bosslet) اور رائی مان (Rei Maun) نے کیا' اور اس کا نام نکوٹین ایک شخص کی نسبت سے پڑا جس کا نام جین نکوٹ (Jean Nicot) تھا۔ یہ شخص پرتگال میں فرانس کا سفیر تھا اور اس نے اپنے گھر کے باغیچے میں اس تمباکو کی کاشت کر رکھی تھی' تا کہ اس کے سبز پتے اور خوشنما پھول اس کے گھر کی زینت بن سکیں۔ لیکن اچانک اس پودے کے کچھ طبی فوائد ہونے کی افواہ اُڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے یورپ میں پھیل گئی۔ اور یہی اس خطرناک باب کی ابتداء تھی۔ اس کے بعد سے سگریٹ ہر منہ کی زینت بن گیا اور زندگی کی ضرورت کی طرح ہر جیب میں پایا جانے لگا۔

نکوٹین جو کہ سگریٹ میں فعلی تاثیر رکھتا ہے' ایک زہریلا اور ہلاک کر دینے والا مادہ ہے۔ اس کی پچاس ملی گرام کی مقدار ایک انسان کو چند گھڑیوں میں قتل کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی شخص اس مقدار پر غور کرے جو ایک سگریٹ میں پائی جاتی ہے اور جو پانچ ملی گرام کے مساوی ہے تو وہ خود بخود اس سست موت کو پہچان لے گا جو ایک سگریٹ نوش اپنے لئے خود مہیا کر رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

محققین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر انسان کی زبان پر نکوٹین سے چند نشان لگا دیئے جائیں تو وہ چند منٹوں میں ہلاک ہو سکتا ہے۔ آپ خود سوچیں اس شخص کی کیا حالت ہے جو یہ زہریلا مادہ اپنی آنتوں میں پہنچا رہا ہے اور پھر اپنے سارے جسم کے اعضاء میں تقسیم کر رہا ہے۔ ایک گرام سگریٹ میں بیس ملی گرام نکوٹین موجود ہوتی ہے۔

نفسیات جاننے والوں کو بخوبی علم ہے کہ کوئی بھی نشہ کرنے والا جب اس نشے کو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ اس ہیجانی کیفیت میں طرح طرح کے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے' کیونکہ وہ ایسی حالت میں عقل وشعور سے عاری ہو چکا ہوتا ہے۔

پانچویں بات: پھیپھڑوں کا سرطان اور ہلاکت

اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ سگریٹ نوشی پھیپھڑوں کے سرطان کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ یہ وہ علمی نتیجہ ہے جس میں پوری دنیا کے علمی حلقوں کی تحقیق یک زبان ہے۔ اس تحقیق کی ابتداء ۱۷۷۵ء میں ہوگئی تھی جب یہ پتہ چلا کہ سرطان کے مرض کا کوئلے اور اس سے بنی ہوئی اشیاء سے گہرا تعلق ہے اور کانیں صاف کرنے والے اکثر مزدوروں میں خصیوں کا سرطان ہو جاتا ہے۔ لیکن سگریٹ کے دھوئیں سے جو سرطان لاحق ہوتا ہے وہ پھیپھڑوں کا سرطان ہے اور یہ اس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس ہے' کیونکہ پھیپھڑوں کے سرطان کا اس وقت تک پتہ نہیں چلتا جب تک اس بیماری کے آثار پھیپھڑوں سے باہر نہ آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ پھیپھڑوں کے سرطان کے ہر پانچ مریضوں میں سے چار لاعلاج ہو جاتے ہیں۔

برطانیہ کی طبی تحقیقاتی کمیٹی نے ۱۹۵۷ء میں اعلان کیا تھا:

''پچھلے پچیس سالوں میں پھیپھڑوں کے سرطان سے مردوں کے اندر اموات کی شرح میں جو اضافہ ہوا ہے ان میں سے اکثر کا سبب کثرتِ سگریٹ نوشی ہے''۔ (کثرت سگریٹ نوشی سے ان کی مراد ایک دن میں بیس سے زیادہ سگریٹ پینے کی عادت تھی)

کتاب ''سگریٹ نوشی کے متعلق فہم عامہ'' (Common Sense About Smoking) کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب میں دیئے گئے اعداد وشمار کے مطابق ۱۹۶۲ء کے دوران پھیپھڑوں کے سرطان سے مرنے والوں کی تعداد تیئس ہزار تھی اور ۱۹۶۳ء تک صرف برطانیہ میں سگریٹ نوشی کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد چوتھائی ملین سے زیادہ تھی۔ اور موت تو بہرحال اللہ کی قضاء وقدر سے ہی آتی ہے۔

سگریٹ کے آخری ایک تہائی حصے میں نکوٹین کی نسبت ۴۰ فیصد ہو جاتی ہے اور دوسرے دو تہائی حصے میں یہ نسبت ۶۰ فیصد رہ جاتی ہے۔

سگریٹ پینے سے خطرات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ ایک گرام تمباکو جب سگریٹ کے ذریعے پیا جاتا ہے تو اس سے سات ملی گرام نکوٹین سگریٹ پینے والے کے مُنہ میں چلی جاتی ہے جو کہ دوسرے زہریلے مادوں کے علاوہ ہے' جس کا اندازہ معدے میں حرارت' حلق کی خشکی اور سانس کی تنگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں نبض کا کمزور پڑ جانا' اعصاب کا کھنچاؤ اور کان اور آنکھ کے افعال میں خرابی کا پیدا ہو جانا بھی انہی زہریلے مادوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نکوٹین ایک نشہ آور مادہ ہے اور اسی طرح سگریٹ نوشی بھی ایک نشہ ہے' بلکہ انتہائی نشہ ہے۔ اس کے ذریعہ انسان خود اپنے ہاتھوں سگریٹ کی ڈبیہ سے زہر کا پائپ اپنے مُنہ میں لگا لیتا ہے۔

الشیخ محمد بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں:

''بے شمار لوگ سگریٹ نوشی کے نقصانات اور اس کی گندی بدبو کی وجہ سے یہ عادت چھوڑنے کا اعلان کر دیتے ہیں' کئی لوگ اپنی بیویوں کو مشروط طلاق دے دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے دوبارہ سگریٹ نوشی کی تو ان کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس انتہائی اقدام سے سگریٹ نوشی چھوڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے' لیکن جب ان کو اس کی طلب ہوتی ہے تو وہ نہیں رک سکتے اور سگریٹ نوشی پھر سے شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو طلاق ہو جاتی ہے' کیونکہ سگریٹ کے ان عشاق کے اعصاب اور ان کے دماغوں پر اس کا بری طرح قبضہ ہوتا ہے۔ سگریٹ پینے والوں کو جب بھی کوئی پریشانی آتی ہے تو وہ سگریٹ کی طرف لپکتے ہیں تاکہ وقت ضائع کریں اور وقتی طور پر اپنے دماغ کو مفلوج کر لیں۔''

سگریٹ کے خطرات میں سے صرف دل و دماغ کا ماؤف ہو جانا ہی نہیں بلکہ سگریٹ نوشی کئی دوسرے گناہوں اور جرائم کے ارتکاب کا بھی سبب بنتی ہے۔ جرائم کی

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دنیا بھر میں سرطان کے خلاف جتنی بھی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں اور سگریٹ نوشی کے خلاف مہم چلا رہی ہیں ان کی اس مہم کے پیچھے کوئی دینی' اخلاقی یا اجتماعی جذبہ محرکہ کارفرما نہیں ہے' بلکہ یہ سب کچھ انسانی صحت پر سگریٹ نوشی کے خطرات کے احساس کے باعث کیا جا رہا ہے۔ یہ خطرات اُس وقت دو چند ہو جاتے ہیں جب سگریٹ کا دھواں نگل لیا جائے' یا اس کو ناک کے ذریعے خارج کیا جائے' یا کھانا کھانے سے پہلے سگریٹ پیئے جائیں' یا بند کمرے خصوصاً سونے کے کمرے میں سگریٹ نوشی کی جائے۔

جب یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ سگریٹ نوشی پھیپھڑوں کے سرطان کا باعث بنتی ہے تو یہ بات تسلیم کرنے میں بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ سگریٹ نوشی حرام مطلق ہے' کیونکہ یہ انسان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے جس سے قرآن پاک کی صریح آیت کے ذریعے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ﴾ (البقرۃ:۱۹۵)

''اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو!''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء:۲۹)

''اپنے آپ کو قتل مت کرو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں رحیم ہے۔''

اس بارے میں سب طبی ماہروں کا اجماع ہے کہ ان کے طبی تجربات نے سگریٹ کی تباہ کاریوں کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس وجہ سے یہ بات بھی شک سے بالاتر ہو جاتی ہے کہ سگریٹ نوشی بالآخر انسان کی موت کا سبب بنتی ہے جو کہ خودکشی کی ایک صورت ہے اور خودکشی بھی اسلام میں حرام ہے۔

چھٹی بات: ہر خبیث چیز حرام ہے

قرآن پاک کی سورۂ اعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ......﴾ (آیت ۱۵۷)

''جو لوگ پیروی کرتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی' جو نبی اُمی ہیں' جن کا ذکر ان کے پاس موجود تورات اور انجیل میں بھی ہے اور وہ ان کو حکم دیتے ہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے' اور حلال قرار دیتے ہیں ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام ٹھہراتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خبیث چیزیں۔''

سگریٹ کے بارے میں کوئی بھی صاحبِ عقل یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ یہ طیبات میں سے ہے' بلکہ یہ کسی شک وشبہ کے بغیر خبیثات میں سے ہے۔ اس لئے اس آیت کی رُو سے بھی یہ حرام ہے۔

نوجوانوں میں سگریٹ نوشی کے اسباب

اولاد وہی کچھ کرتی ہے جو عادات وہ اپنے ماں باپ میں دیکھتی ہے۔ والدین کی یہ سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سگریٹ کی ڈبیہ خریدنے کے لئے بھیج دیتے ہیں' پھر ان کے سامنے خود سگریٹ سلگا کر کش لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ افعال آہستہ آہستہ بچوں کے شعور میں بیٹھنا شروع ہو جاتے ہیں' کیونکہ بقول شاعر۔

وینشأ ناشئ الفتیان منّا

علٰی ما کان عوّدہٗ ابوہ

''بچہ اس نہج پر تربیت پاتا ہے جو اس کے باپ کی عادات ہوتی ہیں۔''

اپریل ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں مجلّہ نیوز ویک نے لکھا تھا کہ نوجوانوں میں سگریٹ نوشی کے اہم اسباب میں سے ایک ان کا اپنے خاندان کے افراد کی تقلید کرنا ہے' خصوصاً اپنے باپ یا بڑے بھائی کی تقلید۔ اور جو والدین سگریٹ نوشی نہیں کرتے ان کے بچے بہت کم اس طرف راغب ہوتے ہیں۔

برطانیہ کے رائل کالج آف فزیشنز کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ سگریٹ نوشی کے سبب ہلاک ہونے والوں میں زیادہ نسبت ان لوگوں کی ہے جو بیس سال سے کم عمر میں ہی سگریٹ پینا شروع کر دیتے ہیں' یعنی ہلاک

شدگان میں سے ان کی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جنہوں نے بیس سال کی عمر کے بعد سگریٹ نوشی شروع کی۔

سگریٹ نوشی پڑھائی میں کمزوری کا سبب بنتی ہے

محققین کے تیار کردہ اعداد و شمار سے یہ بات بھی واضح ہوئی ہے کہ سگریٹ نوشی سے طالب علم پر دو طرح کے بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں:

اولاً: طالب علم پڑھائی میں کمزور پڑ جاتا ہے اور نتیجتاً سگریٹ نوشی نہ کرنے والے طالب علموں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

ثانیاً: سگریٹ نہ پینے والے طالب علم کھیلوں اور فنی میدان میں بھی سگریٹ پینے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں' کیونکہ مؤخر الذکر طلبہ کی اعصابی قوت میں ۱۵ سے ۳۲ فیصد تک کمی آ جاتی ہے' جو لازمی طور پر ان کی قوت برداشت اور قوتِ مقابلہ میں بھی کمی کا باعث بنتی ہے۔

پڑھائی کے معاملے میں محققین کی رائے کے مطابق سگریٹ نہ پینے والوں کے نمبر سگریٹ نوش طلبہ سے ۲۱ فیصد زیادہ ہوتے ہیں۔ نمبروں میں اس زیادتی کی وجہ محنت اور کوشش نہیں ہوتی بلکہ اس کا سبب بے چارے سگریٹ کے مارے طالب علموں کی ذہنی استعداد میں کمی آ جانا ہے۔ ان کے خیالات پریشان رہتے ہیں اور بسا اوقات وہ اپنی ذہنی قوتوں کو مرتکز نہیں کر پاتے۔ اس سے ان کے حافظے اور فہم و فراست میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

سگریٹ نوشی کیسے ترک کی جائے؟

۱) سگریٹ نوشی چھوڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اسی سے مدد و نصرت مانگنے کے بعد اپنی قوتِ ارادی اور عزمِ صمیم کا سہارا لینا چاہئے۔ اس سلسلے میں اس شخص کی مثال سامنے رکھنی چاہئے جو ایک گہرے سمندر میں غرق ہو رہا ہو اور اس کے آگے پیچھے اونچی اونچی لہریں منڈلا رہی ہوں' لیکن وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے اور ہاتھ پاؤں مار کر کنارے تک پہنچنا چاہتا ہے اور بالآخر نجات کے ساحل کو پا لیتا ہے۔ ایسے

شخص نے تھوڑی دیر جدوجہد کی لیکن بہت بڑا بدلہ پالیا' یعنی اپنی زندگی کو بچالیا جس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی۔

اس پختہ ارادے کے بغیر نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوسکتی ہے اور نہ ہی سگریٹ نوشی سے مرنے والوں کے اعداد و شمار فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ سگریٹ نوشی سے انسان حقیقت میں اس بری عادت کا اطاعت گزار بندہ بن جاتا ہے اور یہ عادت اس سے کئی صلاحیتیں چھین لیتی ہے' جن میں سے اہم شے قوتِ ارادی بھی ہے۔ لہٰذا سگریٹ نوشی سے جان چھڑانے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس قوت ارادی کو واپس لایا جائے جو اس عادتِ بد نے سلب کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ کے فضل سے ہر چیز آسان ہو جائے گی۔

۲) سگریٹ نوشی ایک عادت ہی تو ہے اور اس عادت کو تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے' مثلاً اپنا ماحول بدل کر' سگریٹ پینے والوں سے دور رہ کر' آب و ہوا تبدیل کر کے اور دل بہلانے کے لئے ایسے نئے مشغلے ڈھونڈ کر جو فائدہ مند بھی ہوں اور جن کی وجہ سے انگلیوں کو سگریٹ پکڑنے اور ہونٹوں کو کش لگانے کی مہلت ہی نہ ملے۔

۳) آپ کو کئی دوست ایسے بھی ملیں گے جو یہ رائے دیں گے کہ سگریٹ کہاں چھوڑا جاسکتا ہے' یہ تو ایک ناممکن کام ہے۔ لیکن یہ دوست بے وقوف دوست ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بھلا ہوتا ہے۔ اپنا یہ نصب العین مقرر کر لینا چاہئے کہ سگریٹ چھوڑ دینا اللہ کی فرماں برداری کرنا ہے' اور یہ بات سب سے پہلے مدنظر رکھنی چاہئے۔ اس بارے میں الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا قول ہے کہ:

> ''اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو ہرگز کسی ایسے مسئلے میں لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے جس مسئلے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام میں وضاحت کر دی گئی ہو' کیونکہ یہ گواہی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر مسئلے میں اس چیز کی اطاعت کی جائے جس کا انہوں نے حکم دیا ہو اور اس چیز سے باز رہا

جائے جس سے انہوں نے منع کیا ہو یا ناراضی کا اظہار فرمایا ہو اور ہر اس بات کو سچا مانا جائے جس کی آپ ﷺ نے خبر دی ہو۔''

فقہ مالکیہ کے عالم الشیخ خالد بن احمد کا فتویٰ ہے کہ:

''جو کوئی سگریٹ پیتا ہو اس کی امامت جائز نہیں' اور سگریٹ کی تجارت بھی ناجائز ہے' اور نہ کسی ایسی چیز کی تجارت جائز ہے جو نشہ آور ہو۔''

اس فتویٰ سے یہ بات مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس پر اصرار کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ بات بھی اہلِ علم میں متفقہ ہے کہ اگر صغیرہ گناہ پر بھی اصرار کیا جائے یا اس پر فخر کیا جائے' یا کوئی صغیرہ گناہ ایسے افراد میں پایا جائے جو دیندار ہونے کے دعوے دار ہوں اور جن کی اقتداء کی جاتی ہو' یا کوئی شخص کسی صغیرہ گناہ کے بارے میں علماء' قاضی' امام اور مفتی سے اپنے قول کے ذریعے' فعل کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے احتجاج کرے تو یہ بھی کبیرہ گناہ کے حکم میں آ جاتا ہے۔

۴) اگر کوئی شخص آج سگریٹ ترک نہیں کرتا تو ضرور اسے کل ڈاکٹروں کے کہنے پر سگریٹ نوشی ترک کرنا پڑے گی' بلکہ پھر سگریٹ کے ساتھ ساتھ کتنے پسندیدہ کھانے اور مشروبات بھی چھوڑنے پڑیں گے۔ اس وقت خطرہ بڑھ چکا ہوگا اور نقصان پھیل چکا ہوگا۔

کیا کبھی غور کیا کہ انسان لکڑی اور گھاس کے دھوئیں سے کس طرح دُور بھاگتا ہے' لیکن سگریٹ نوش یہ دھواں اپنے خون میں شامل کرتے ہیں اور اپنے پھیپھڑوں تک پہنچاتے ہیں!

۵) صبح ناشتہ کرنے سے پہلے اپنا ہاتھ سگریٹ کی ڈبیہ تک بڑھانے کی بجائے ایک گلاس لیموں کا شربت نوش کیا جائے۔ یہ عمل صبح کے سگریٹ چھوڑنے کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ اس کے بعد اپنے ساتھ کھانے کی کوئی چیز جیسے کھجور یا کوئی اور پھل رکھ لیا جائے' جب سگریٹ کی طلب ہو تو یہ مُنہ میں ڈال لیا جائے۔

علامہ ابن القیمؒ کھجور کے فوائد میں رقم طراز ہیں کہ یہ بدن کو زیادہ طاقت دینے والے پھلوں میں سے ہے۔ اس میں گرم اور تر تاثیر موجود ہے' اس کی گرمی میں تریاق

کی تاثیر ہے اور یہ ایک وقت میں پھل' غذا' دوا' مشروب اور مٹھائی ہے۔ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ لَمْ يَضُرُّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سِمٌّ وَلَا سِحْرٌ))

''جس نے صبح صبح سات کھجوریں کھالیں اس دن اس پر زہر اور جادو اثر نہیں کر سکتا۔''

جب تک سگریٹ مکمل طور پر ترک نہیں کر دیئے جاتے وقتی طور پر گوشت کھانا بھی ترک کر دیا جائے' کیونکہ سگریٹ کی طلب عموماً اُس وقت زیادہ ہوتی ہے جب گوشت والی غذا کھائی جائے۔

نوجوانانِ اسلام سے خطاب

اے نوجوانانِ اسلام! میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ تم پر اسلام کے کچھ حقوق ہیں اور اسلام کے تم پر کچھ واجبات بھی ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اپنی عقلوں کو خلل سے اور اپنے جسموں کو مرض سے بچایا جائے' اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے دُور رکھا جائے۔ اپنی آنکھیں کھولو' اس خطرے کو صحیح طرح جانچو جو تمہاری انگلیوں کے درمیان سگریٹ جلانے میں مضمر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جب تمہاری پیدائش ہوئی تو سگریٹ تمہارے مُنہ میں تھا' بلکہ سگریٹ نوشی کی یہ عادت ان بُری عادتوں میں سے ہے جو تم نے معاشرے سے سیکھ لی ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (النحل:۷۸)

''اللہ نے تم کو پیدا کیا تمہاری ماؤں کے بطنوں سے' تم کچھ جانتے نہ تھے۔ اور اس نے بنائے تمہارے لئے کان' آنکھیں اور قلوب تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

بے شک سب سے بُری عادت یہ ہے کہ انسان عادات کا بندہ بن کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اعضاء کو اس کام میں لاؤ جس کام کے لئے یہ پیدا کئے گئے ہیں اور اپنے پاک اور صاف مُنہ شیطان کے چولہے مت بناؤ جس سے وہ دھواں اور زہر پھیلا کر صاف ستھری ہوا کو گندا کرے' آس پاس کے لوگوں کے ناک میں دم کرے' ماحول کو تکلیف پہنچائے اور تمہارے دانتوں پر زنگ جما کر ان کو خراب کر دے۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ سگریٹ نوشی نے تمہارے بڑوں کے ساتھ کیا سلوک کیا' جن کو کئی امراض لگا دیئے۔ اور جتنے یہ امراض ظاہر ہوئے اس سے زیادہ وہ باطنی امراض میں مبتلا تھے۔ کیا یہ خرابی نہیں کہ انسان ہلاکت کا وہی راستہ اختیار کرے جس کے آس پاس اسی رستہ پر چلنے والے پہلے لوگوں کی لاشیں تڑپ رہی ہوں اور پھر بھی وہ ان کی طرف کوئی دھیان نہ دے۔

اے نوجوانانِ اسلام! تم اسلام کی امید ہو' لیکن اس بدعادت کے سبب تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب اسلام تمہیں جہاد کی طرف پکارے گا تو تمہارے پھیپھڑے سل زدہ ہو چکے ہوں گے' تمہارے ہاتھوں میں سکت نہ ہوگی' تمہارے جسم مریض بن چکے ہوں گے اور تم حقیقت میں بوڑھے ہو چکے ہو گے' جوانی کا صرف نام باقی رہ چکا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ سگریٹ نوشی کے خطرات ہر وقت تمہارے مدنظر رہیں اور اللہ تعالیٰ کے مراقبہ کا ہر وقت تمہیں احساس رہے' کیونکہ تمہارا ربّ تو وہ ہے جسے کسی آن بھی نیند یا اونگھ نہیں آتی' اور اگر تم اپنے ربّ کے حق کا خیال نہ رکھ سکے تو تمہارا وجود انسانیت کے لئے بھی عار ہوگا۔

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

''اور چھوڑ دو کھلے اور چھپے گناہ۔ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو سزا دی جائے گی اس کے سبب جو وہ گناہ کماتے رہے ہیں۔''

وصلی اللہ علی نبینا ورسولنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تعارف وتبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

——(۱)——

نام کتاب : سلام کے احکام وآداب
مصنف : محمد تنویر عالم بن محمد عبدالرشید ندوی
ضخامت : 144 صفحات
قیمت : 60 روپے
ناشر : نور اسلام اکیڈمی، پوسٹ بکس 5166 لاہور
ملنے کا پتہ : مکتبہ نور اسلام، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ سلام دعائیہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے وہ ایک دوسرے کے لئے عافیت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ اسلام اتحاد واتفاق، پیار ومحبت اور حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ جب دو مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو ان کے اندر اپنائیت کے احساس کے ساتھ الفت اور محبت کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر سلام کیا گیا ہے۔ نیز یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی سلام کرے تو تم اس کو بہتر الفاظ میں دعا دو یا پھر سلام کے وہی الفاظ اس کے لئے لوٹا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''.....اور تم صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو محبت کو تمہارے (دلوں کے) اندر جما دے؟ آپس میں خوب سلام کیا کرو''۔

چونکہ قرآن وسنت میں سلام پھیلانے اور عام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان سلام کے احکام وآداب سے آگاہ ہو۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مصنف نے یہ کتاب لکھی ہے جس میں موضوع پر سیر حاصل

ڈالی گئی ہے۔ یوں اس کتاب میں نہایت جامعیت کے ساتھ سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ اس ضمن میں ضروری آداب بھی بتا دیئے گئے ہیں' مثلاً کن حالات میں سلام نہ کیا جائے' مصافحے اور معانقے کی اجازت' اہل کتاب اور غیر مسلموں کو سلام کرنا وغیرہ۔

سلام کے احکام و آداب پر اس کتاب میں جملہ معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ متعلقہ موضوع پر لکھی گئی دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دے گا۔ یہ کتاب مسلمان لڑکے' لڑکیوں اور بڑوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ خوبصورت ٹائٹل اور دیدہ زیب کمپوزنگ اضافی خوبیاں ہیں۔

(۲)

نام کتاب : تاریخ محمد ﷺ

مصنف : ایم ڈی فاروق' ایم اے' ایل ایل بی

ضخامت : 578 صفحات 30X20/8

قیمت : 300 روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ اشاعت قرآن و تاریخ اسلام (ہسٹری سنٹر)

113۔ سی' ماڈل ٹاؤن لاہور

''تاریخ محمد ﷺ'' کا مصنف تاریخ اسلام کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ذوقِ تحقیق سے بھی مالا مال ہے۔ اس کے اپنے قول کے مطابق اس کی والدہ نہایت پارسا' بلند کردار' عبادت گزار' تلاوت قرآن کی مشتاق اور رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عقیدت رکھنے والی خاتون تھیں۔ اس پاکیزہ تربیت نے اسے بھی حب رسول کے جذبے سے سرشار کیا جس کے نتیجہ میں روضۂ رسولؐ پر حاضری کے دوران ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتاب لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

مصنف نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ کتب تاریخ و سیر کا مطالعہ کیا ہے اور

حاصل مطالعہ کو دلکش انداز اور مؤثر انداز میں ''تاریخ محمد ﷺ'' کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مصنف نے خاصی مصروف اور فعال زندگی گزاری ہے اور وہ اِس وقت بھی تصنیف و تالیف میں مشغول ہے' جبکہ اس کی عمر ۸۰ برس سے تجاوز کر رہی ہے۔

''تاریخ محمد ﷺ'' کے ابتدائی حصے میں اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اسباب حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ اسباب آج بھی ماضی کی طرح مؤثر ہیں اور انسانوں کے لئے واضح سامانِ عبرت لئے ہوئے ہیں۔ گزشتہ انبیاء کی مختصر تاریخ بھی بیان کی ہے اور اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے حالاتِ زندگی تحریر کئے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ اور قدیم عالمی تہذیبوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے حالات زندگی پیدائش سے وفات تک بڑے دلنشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ بہت سے مقامات پر بے لاگ تحقیق کے نتیجہ میں مصنف نے مشہور و معروف واقعات کی صحت سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً:

۱) دادا کی وفات کے بعد آپؐ کی پرورش چچا ابو طالب نے نہیں بلکہ تایا زبیر نے کی۔
۲) آپؐ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال نہیں بلکہ ۲۸ سال تھی۔
۳) شعب ابی طالب میں محصوری کا واقعہ مبالغہ پر مبنی ہے۔
۴) حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت رخصتی ۱۹ سال تھی۔
۵) حدیث قرطاس خلاف واقعہ ہے۔
۶) خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسیؓ کا نہیں تھا بلکہ یہ آپ ﷺ کی بصیرت کا نتیجہ تھا۔
۷) خندق عبور کرنے کا واقعہ خلافِ حقیقت ہے۔
۸) مرحب کو حضرت علیؓ نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا' وغیرہ۔

کتب سیرت کا علمی اور تحقیقی انداز پر مطالعہ کرنے والوں کے لئے ''تاریخ محمد ﷺ'' لائق مطالعہ اور مفید معلومات کی حامل کتاب ہے۔ سفید کاغذ پر طبع شدہ یہ کتاب مضبوط اور خوبصورت جلد میں محفوظ ہے۔ تاہم کمپوزنگ کی بے شمار اغلاط موجود ہیں۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ اشاعت کے مراحل طے کرنے میں عجلت سے کام لیا گیا ہے۔

(۳)

نام کتاب : توحید پر ایمان اور شرک سے بیزاری
مصنف : حافظ محمد سلیمان
ضخامت : 184 صفحات
قیمت : درج نہیں
ملنے کا پتہ : مکتبہ طارق اکیڈمی، ڈی گراؤنڈ، سموسہ چوک، فیصل آباد

اسلام دین توحید ہے۔ اس کا پہلا اور بنیادی عقیدہ اللہ کو ایک ماننا اور شرک سے قطعی اجتناب ہے۔ اس عقیدے کا بیان قرآن پاک میں جا بجا مختلف انداز اور الفاظ میں موجود ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عقیدے کی اہمیت اپنے اکثر خطبات میں بیان کی ہے۔ یوں سمجھئے کہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری بخشش کے لئے شرطِ لازم ہے۔ اس عقیدے کی جتنی بھی اشاعت کی جائے کم ہے، کیونکہ خود حاملین دین توحید بھی اکثر اس کی اہمیت سے بے خبر ہیں، حالانکہ یہ نادانی نری ہلاکت ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے مضبوط دلائل کے ساتھ توحید پر ایمان کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور شرک کی ہلاکت پر متنبہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس عقیدہ کے بغیر نجاتِ اُخروی ممکن نہیں۔ موضوع کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر ہر شخص کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔ مؤلف نے بڑی محنت کے ساتھ موضوع سے متعلقہ آیات اور احادیث اس کتاب میں جمع کر دی ہیں۔

کتاب حسن معنوی کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی مالا مال ہے۔ کمپوزنگ بھی معیاری ہے۔

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے **3** منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501